سبق:۹ نیا قانون

مُصنف
سعادت حسن منٹو
(1912-1955)

مصنف کا تعارف

سعادت حسن منٹو ضلع لدھیانہ (انڈیا) میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم حاصل کرنے کے بعد علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی گئے مگر اپنی تعلیمی سرگرمیوں کو ادھورا چھوڑ کر عملی زندگی کا آغاز کیا۔

آل انڈیا ریڈیو لاہور اور بمبئی سے وابستہ ہوئے۔ کئی فلمی رسالوں کی ادارت کی اور فلموں کی کہانیاں اور مکالمے تحریر کیے۔ منٹو نے بعض ایسے سماجی، سیاسی اور نفسیاتی موضوعات پر نہایت جرأت اور فنی نزاکت کے ساتھ قلم اٹھایا اور ایسی کہانیاں لکھنے میں کام یاب ہوئے

جو صرف منٹو جیسے ادیب کا خاصہ قرار دی جاسکتی ہیں۔ انھوں نے اُردو افسانہ نگاری کو پُرتکلّف زبان سے نجات دلا کر بے تکلفی کی فضا سے آشنا کیا۔ ان کی تحریروں کا اہم عنصر حقیقت نگاری اور سچائی ہے۔

منٹو قیام پاکستان کے بعد بمبئی سے لاہور آ گئے لیکن یہاں انھیں معاشی تنگ دستی کا سامنا کرنا پڑا۔ انھوں نے زندگی کو ایک بازی کی طرح کھیلا اور ہار کر بھی جیت گئے۔ اپنی بیس سالہ ادبی زندگی میں انھوں نے سیکڑوں کی تعداد میں افسانے اور ڈرامے یادگار چھوڑے۔

انھوں نے روایتی تصورات پر کاری ضرب لگائی۔ اگرچہ منٹو کی بے باک اور حقیقت پسندانہ تحریریں بہت سے حلقوں کو ناگوار بھی گزرتی تھیں۔ تاہم وہ اس بات کی پروا کیے بغیر کہ "لوگ کیا کہیں گے" بے باکانہ لکھتے رہے اور انھیں اس ضمن میں کئی عدالتی کارروائیوں کا سامنا کرنا پڑا مگر وہ اپنے معاشرے کی بے ہودگیوں اور منافقتوں کا پردہ چاک کرنے سے باز نہ آئے۔

سعادت حسن منٹو کی کہانیوں کے دنیا کی کئی زبانوں میں ترجمے ہو چکے ہیں۔ ان کی تصانیف میں:

تصانیف

"سرگزشتِ اسیر"، "سنگ"، "گنجے فرشتے" اور "لاؤڈ سپیکر"، آتش پارے، منٹو کے افسانے، دھواں، لذتِ سنگ، چغد، ٹھنڈا گوشت، یزید، نمرود کی خدائی، بادشاہت کا خاتمہ وغیرہ۔

یہ سبق پڑھنے کے بعد طلبہ اس قابل ہو جائیں گے کہ وہ:

- ☆ طلبہ کو ادبی زبان اور اسلوب سے واقف کرانا۔
- ☆ منٹو کی حقیقت نگاری اور مختلف سماجی، سیاسی مسائل کی پیش کش سے آگاہ کرنا۔
- ☆ طلبہ میں تنقیدی اور تخلیقی صلاحیتیں پیدا کرنا۔
- ☆ منٹو کے افسانوی کرداروں کے مثبت اور منفی پہلوؤں پر روشنی ڈالنا۔
- ☆ طلبہ کو استعماریت اور استعماری ہتھکنڈوں سے آگاہ کرنا۔

مشکل الفاظ کے معانی

صفحہ نمبر 60 **کوچوان:** (گھوڑا گاڑی چلانے والا، گاڑی بان، بگھی یا فٹن ہانکنے والا) **مدبرانہ انداز:** (تدبر اور دانش مندی کا انداز) **پیش گوئی:** (کسی بات کی پہلے سے خبر دینا) **افواہ:** (غیر مستند یا اُڑائی ہوئی خبر) **متانت:** (سنجیدگی، مضبوطی) **اعتراف:** (تسلیم کر لینا، مان لینا، اقرار) **مال روڈ:** (لاہور میں واقع ایک مصروف شاہراہ ہے جس کو شاہراہِ قائدِ اعظم کے نام سے بھی جانا جاتا ہے) **فساد:**

parho.pk

(بگاڑ، جھگڑا، خرابی، تباہی) **تبادلۂ خیال:** (دو یا دو سے زائد اشخاص کا باہم اظہارِ رائے) **غیر معمولی:** (اہم، جو عام اور معمولی نہ ہو۔) **خلافِ معمول:** (خلافِ دستور) **تمتمانا:** (خارجی یا اندرونی گرمی یا کسی جذبے کے اثر سے چہرے کا سُرخ ہو جانا) **چمک جانا:** (روشن ہو جانا) **مفکرانہ:** (مفکروں جیسا، غور و فکر والا) **درویش:** (فقیر، صاحبِ معرفت، خدارسیدہ) **سر پٹکنا:** (تلملانا، پیچ و تاب کھانا، افسوس کرنا، ہاتھ ملنا) **بابت:** (بارے میں، باب میں) **تگڑا:** (تندرست، تنومند، موٹا تازہ، ہاتھ پاؤں سے مضبوط) **سدا:** (ہمیشہ، دائم) **راج کرنا:** (حکومت کرنا، فرماں روائی کرنا، عیش کرنا) **نفرت:** (کسی چیز سے بھاگنا، بے زاری، انتہائی ناپسندیدگی، کراہت) **سِکّہ چلانا:** (رُعب قائم کرنا، حکومت جمانا) **تنفر:** (نفرت، کراہت، بے زاری) **ذلیل:** (بے عزت، بے وقعت، حقیر) **متلی:** (جی متلانا، قے کی خواہش ہونا) **جھریاں:** (بڑھاپے کی وجہ سے جلد پر پڑ جانے والی لکیریں یا شکنیں، سلوٹیں) **جھلی:** (باریک پردہ جو گوشت کے مختلف حصوں پر مختلف صورتوں میں منڈھا ہوتا ہے) **مکدر:** (کدورت آمیز، ناراض، غمگین، رنجیدہ، اداس)

(61) **سمیت:** (ساتھ، ہمراہ، بشمول) **آگ لینے آئے تھے، اب گھر کے مالک ہی بن بیٹھے:** (مثل: ذرا سا بہانہ بنا کر قبضہ جمالینا) **ناک میں دم کرنا:** (پریشان کرنا، ستانا، عاجز کرنا، تنگ کرنا) **رُعب گانٹھنا** (رُعب جمانا، حکم چلانا) **باوا:** (باپ، والد) **سینے کی آگ اُگلنا:** (دل کی بھڑاس نکالنا، غضب ناک ہونا، غصہ نکالنا) **دھپ:** (دھول، تھپڑ، گھونسا) **گِٹ پٹ:** (ایسی بات جو سمجھ نہ آسکے، نامانوس گفت گو) **ملعون:** (جس پر لعنت کی گئی ہو، پھٹکارا ہوا، مردود) **ٹلنا:** (جگہ سے ہٹنا، ادھر اُدھر ہو جانا، کسی طرف نکل جانا) **مردود:** (رد کیا گیا، رد کیا ہوا، بے عزت کیا گیا، کم بخت، بدذات) **ہتک** (بے عزتی، توہین، کسی کی شان میں گستاخی) **بُڑ بُڑانا:** (زیرِ لب کسی کو بُرا کہنا، بوڑھوں کی طرح چپکے چپکے بولنا) **لاٹ صاحب:** (لیفٹیننٹ گورنر، یا گورنر جنرل، وائسرائے، بڑے عہدے دار یا صاحبِ اقتدار کے لیے طنزاً بولتے ہیں) **نازاٹھانا:** (نازنخرے برداشت کرنا، چونچلے گوارا کرنا، بدمزاجی سہنا) **منحوس:** (نحس، بدقسمت، بدنصیب، جس کی نحوست کا کسی کے حالات پر اثر پڑ سکے، نامبارک) **خون کھولنا:** (طیش آنا، بہت زیادہ غصہ آنا) **نفاذ:** (اجرا، فرمان یا حکم جاری ہونا) **بیاج:** (سود، بڑھوتری، زیادتی) **دریافت کرنا:** (پتہ لگانا، ڈھونڈنا، کھوج لگانا، معلوم کرنا) **چابک:** (تازیانہ، کوڑا، ہنٹر، لکڑی یا بید وغیرہ کی چھوٹی سی چھڑی جس میں چمڑا یا سوت وغیرہ کی ڈوری بندھی ہوتی ہے) **پیٹنا:** (مارنا، جسمانی سزا دینا) **باگ:** (لگام، راس، عنان) **ہوا سے باتیں کرنا:** (نہایت تیزی سے آگے بڑھنا، بہت تیز دوڑنا، تیز رفتار ہونا) **ڈکار:** (وہ آواز جو معدے سے منھ کی راہ ہوا خارج ہوتے وقت نکلتی ہے) **ایسی کی تیسی:** (بات چیت میں برہمی کے موقع پر ایک طرح کی توہین و تشنیع کا فقرہ) **خلافِ معمول:** (توقع کے برخلاف، حیران کن، چونکانے والا) **جان پہچان:** (واقفیت، آشنائی، شناسائی، صاحب سلامت) **طوفان برپا کرنا:** (جھگڑا کرنا، غُل غپاڑہ کرنا) **آہنی:** (لوہے یا فولاد سے بنی ہوئی چیز، مضبوط، سخت)

(62) **اندیشہ:** (خطرہ، شک، شبہ، کھٹکا) **کھٹیا:** (چھوٹی چارپائی، چھوٹا پلنگ) **کھٹمل:** (ایک سُرخ رنگ کے کیڑے کا نام جو اکثر موسم برسات میں پلنگ اور چارپائی وغیرہ میں پیدا ہو کر آدمی کا خون پیتا ہے) **مسرور:** (خوش، شاد، شادماں، مگن) **تھوتھنی:** (جانور کا منھ، حقارتاً انسان کا منھ، گھوڑے یا اُونٹ کا منھ) **خلط ملط:** (گڈ مڈ، مخلوط، ملا جلا، بکھرا، بے ترتیب) **بغاوت:** (حکومتِ وقت کے خلاف اجتماعی قانون شکنی، لوٹ مار، تشدد، فساد) **پیش خیمہ:** (کسی واقعہ کی تمہید) **بیرسٹر:** (وہ وکیل جس نے ولایت سے وکالت کی ڈگری لی ہو) **فیڈریشن:** (اجتماع، وفاقیت، وفاقی انجمن یا جماعت) **حقارت کی نظر سے دیکھنا:** (ذلیل سمجھنا، کم درجے کا سمجھ کر توجہ نہ دینا) **ٹوڈی:** (ذلیل، خوشامدی، چاپلوس) **تمیز:** (جدا کرنا، علیحدہ کرنا) **اہلیت:** (قابلیت، لیاقت، صلاحیت)

(63) **مزنگ** (جسے مزنگ چونگی بھی کہا جاتا ہے، لاہور کے ایک علاقہ کا نام) **گریجویٹ** (ماسٹر ڈگری سے نیچے کا سند یافتہ جیسے: بی اے، بی کام، بی ایس سی، بی ایڈ وغیرہ) **مارے مارے پھرنا:** (آوارہ و سرگرداں پھرنا، دھکے کھاتے پھرنا) **گھوڑے کا ساز:** (گھوڑے اور دیگر جانوروں کی آنکھوں پر باندھنے کا پردہ جس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ جانور کو عقب کا منظر دکھائی نہ دے، جسے اندھیری اور چشم بند بھی کہتے ہیں) **نِکل:** (یہ ایک کیمیائی عنصر ہے جو دھات میں شمار ہوتا ہے) **دَمکنا:** (چمکنا، درخشاں ہونا، تاباں ہونا) **درخشاں:** (چمکتا ہوا، روشن چمکیلا، پُرنور) **تاباں:** (روشن، منور، چمک دار، نورانی) **اصطبل:** (گھوڑے، خچر وغیرہ کو باندھنے اور رکھنے

کا مکان، گھوڑوں کا تھان) **دُھندلکا:** (صبح کاذب، جب فضا تاریک ہو، ہلکا اندھیرا، نیم تاریکی) **کلغی:** (پرندوں کے خوش نما پر جو بادشاہ اپنے تاج، ٹوپی یا پگڑی میں لگاتے ہیں، گھوڑے کے چہرے کے ساز کا زیور جو خوش نمائی کے لیے سر کے اوپر کے چمڑے پر لگایا جاتا ہے) **آنہ:** (پُرانے روپے کا سولھواں حصہ، پرانے چار پیسے، پرانا سکہ جو چار پیسوں کے برابر ہوتا تھا) **جھنجھناہٹ:** (جھن جھن کی آواز، گھنگروؤں کی آواز، جھانج یا پاؤں کے زیور کی آواز، جھنکار)

متن نمبر 64 **رعونت:** (غرور، گھمنڈ، ناز) **خوش پوش:** (صاف اور عمدہ لباس پہننے والا، خوش لباس، خوش پوشاک) **خیرہ کن:** (چکا چوند پیدا کرنے والا، حیرت میں ڈالنے والا، حیرت انگیز) **بھیڑ:** (مجمع، آدمیوں کا جماؤ، جمگھٹا) **دعوتِ نظارا:** (دیکھنے کی دعوت دینا، زیارت کی دعوت دینا) **اَنگ:** (جسم، بدن) **سبب:** (وجہ، علت، موجب) **برسنا:** (ڈانٹنا، غصہ کرنا، جھڑکنا) **تشکیل:** (شکل بنانا، صورت بنانا، شکل دینا) **نڈھال:** (تھکا ماندہ، ناتواں، کمزور) **نشست:** (بیٹھنے کی جگہ، بیٹھنے کا طور طریقہ) **باگ:** (لگام، راس)

متن نمبر 65 **ہنہنانا** (گھوڑے کا بولنا، گھوڑے کا اپنی قدرتی آواز نکالنا) **قیاسات** (اندازے، گمان، فکری عمل) **سوچ بچار** (غور و فکر، خیال) **غرق** (ڈوبنا، ڈوبا ہوا، کھویا ہوا، محو) **بیدار** (جاگتا ہوا، ہوشیار جو سویا یا مدہوش نہ ہو) **بھسم کر دینا:** (نذرِ آتش کر دینا، جلا ڈالنا، راکھ کرنا) **لرزش:** (لرزنے کی کیفیت، رعشہ، جنبش، کپکپی) **نوکیلا:** (نوک دار، چبھنے والا) **غیر مرئی:** (جو آنکھوں سے دکھائی نہ دے، محسوساتی، خیالی) **طوعاً و کرہاً:** (چار و ناچار، خواہ مخواہ) **چلّانا:** (چیخنا، غُل مچانا، شور کرنا، زور زور سے آواز نکالنا) **پست قد:** (چھوٹے قد کا، کوتاہ قامت، ٹھگنا) **چشم زدن میں:** (ذرا سی دیر میں، لمحہ بھر میں)

متن نمبر 66 **ششدر:** (عاجز، حیران، متحیر، پریشان) **متحیر ہونا:** (حیران ہونا، دنگ رہ جانا، ہکا بکا ہونا) **گھونسا:** (مُکّا، دھموکا، گھوسا) **اکڑفوں:** (شان و شوکت کا اظہار، اینٹھ اور گھمنڈ) **وہ دن گئے جب خلیل خاں فاختہ اُڑایا کرتے تھے:** (وہ دن نکل گئے جب خلیل خاں عیش کرتے تھے۔ وہ مزے کے دن تو نکل گئے، اب تو پھٹے حال ہیں۔)

توضیحات

اسپین: ہسپانیہ (ہسپانوی: Espana اسپانیا) سرکاری طور پر مملکت ہسپانیہ، کاستین، کتالان، باسک سمیت بہت سی قدیم قوموں کا ملک ہے۔ مغرب کی جانب یہ پرتگال، جنوب سے جبل الطارق اور مراکش اور شمال مشرق میں انڈورا اور فرانس کے ساتھ ملتا ہے۔

اسپین کی جنگ: اسپین میں خانہ جنگی تھی جو 1936ء سے 1939ء تک جاری رہی۔ جس کی سربراہی ایسے فوجی گروپ کے ذریعے کی گئی تھی جس میں جنرل فرانسسکو فرانکو نے جلد ہی ایک اہم کردار ادا کیا تھا۔ اس وقت کی بین الاقوامی سیاسی آب و ہوا کی وجہ سے، اس جنگ کے بہت سے پہلو تھے اور اسے طبقاتی جدوجہد مذہب کی جنگ، آمریت اور جمہوری جمہوریہ کے مابین جدوجہد، انقلاب اور انسدادِ انقلاب کے درمیان اور فاشزم اور اشتراکی نظریہ کے طور پر دیکھا جاتا تھا۔ دوسری جنگ عظیم کے لیے اسے اکثر "ڈریس ریہرسل" کہا جاتا ہے۔ نیشنلسٹوں نے جنگ جیت کر نومبر 1975ء میں فرانکو کی موت تک اسپین پر حکمرانی کی۔

چھاؤنی: وہ مقام جہاں فوج مستقل یا عارضی طور پر رہے۔ لشکر گاہ سپاہیوں کی بیرکیں، کیمپ، پڑاؤ۔

کوڑھ: ایک مرض جو فسادِ خون سے پیدا ہوتا ہے۔ اس میں یا تو بدن پر سفید دھبے پڑ جاتے ہیں یا اعضا پر ورم ہو کر انگلیاں وغیرہ گرنے لگتی ہیں۔ جذام، برص۔

کچہری: وہ جگہ یا عمارت جہاں حاکم بیٹھ کر انصاف کرتا ہے۔ عدالت اور کورٹ کے ساتھ بھی مستعمل ہے۔

دیوانی مقدمہ: انسان کے لین دین کے مسائل حل کرنے کے لیے جو مقدمہ دائر کیا جاتا ہے، وہ دیوانی مقدمہ کہلاتا ہے۔

انڈیا ایکٹ: ایکٹ 1935ء کے تحت برطانوی صوبوں اور نوابی ریاستوں پر مشتمل وفاق کا وجود عمل میں آنا تھا۔ اس پر اُس وقت تک عمل درآمد ناممکن تھا جب تک نوابی ریاستوں کے حکمرانوں کی ایک معین تعداد الحاق کی دستاویز پر دستخط نہ کرتی۔ اس کی نوبت ہی نہیں آئی۔ لہٰذا مرکزی حکومت کے معاملات ایکٹ 1919ء کے تحت ہی چلتے رہے۔ 1935ء کے ایکٹ کا تعلق صوبائی حکومتوں سے تھا۔ صوبے تحویل شدہ اُمور کی حد تک خود مختار تھے۔ اب دوعملی ختم ہوگئی تھی اور صوبائی حکومتیں پوری ذمے داری کی حامل ہوگئی تھیں۔ البتہ صوبائی گورنروں کو اَقلیتوں، سول سروس کے تحفظ اور اَمن وامان کو کسی ''شدید خطرے'' سے محفوظ رکھنے کے لیے خاص ذمے داری سونپی گئی تھی۔ مرکزی حکومت اور صوبوں کو تفویض کیے جانے والے اُموراس قدر تفصیل سے درج تھے کہ باقی ماندہ اختیارات کا پرانا جھگڑا اپنی اہمیت کھو بیٹھا تھا۔ اس ایکٹ کا نفاذ یکم اپریل 1937ء سے ہوا۔

مارواڑی: بھارتی ریاست راجھستان میں بولی جانے والی ایک راجھستانی زبان ہے۔ مارواڑی گجرات، ہریانہ، پاکستان اور نیپال میں بھی بولی جاتی ہے۔ مارواڑی کو لگ بھگ دو کروڑ آبادی بولتی ہے اور راجھستان کی سب سے زیادہ بولی جانے والی زبان ہے۔ زیادہ تر بولنے والے راجھستان میں رہتے ہیں۔ سندھ میں تقریباً ڈھائی لاکھ اور نیپال میں تقریباً پچیس ہزار بولنے والے ہیں۔ مارواڑی کے دو درجن لہجے ہیں۔

انارکلی بازار: انارکلی بازار جنوبی ایشیا کا قدیم بازار ہے جو دوسو سال سے زیادہ پُرانا ہے۔ یہ لاہور کی مال روڈ پر واقع ہے۔ اس کا نام مغلیہ عہد کے مشہور کردار انارکلی کے نام پر رکھا گیا ہے۔ لاہور کا پُرانا انارکلی بازار پہلے وجود میں آیا۔ جب کہ بارونق اور نئے بازار کا قیام بعد کا ہے۔

اشتراکیت: اشتراکیت یا سوشلزم ایسے سماجی نظام کو کہتے ہیں جس میں پیداواری ذرائع (زمین، معدنیات، کارخانے، بنک، تجارت وغیرہ) معاشرے کی اجتماعی ملکیت ہوتے ہیں اور ان کی پیداوار ذہنی یا جسمانی کام کرنے والوں کی تخلیقی محنت کے مطابق تقسیم کی جاتی ہے۔

سُرخ پوش: سُرخ لباس پہنے ہوئے۔ سُرخ لباس والا شخص۔ برصغیر پاک و ہند کی جنگِ آزادی میں مسلمانوں کی سیاسی پارٹی جو رُوسی اشتراکی نظام کی حامل رہی اور جس کے لیڈر خان عبدالغفار خاں تھے۔ خان عبدالغفار خاں نے مدارس سے فارغ التحصیل نوجوانوں کی مدد سے شمال مغربی سرحدی صوبہ کے پشتون علاقوں میں خدائی خدمت گار تحریک شروع کی۔ بنیادی طور پر خدائی خدمت گار پشتون علاقوں میں سماجی اور فلاحی کاموں کے لیے تشکیل دیے گئے تھے اور سفید لباس زیب تن کرتے تھے جو جلدی میلا ہو جاتا تھا بعد میں سرخ لباس زیب تن کرنے لگے اور پشتون حلقوں میں سرخ پوش کے نام سے مشہور ہوئے۔

گاندھی: بھارت کے سیاسی اور روحانی رہنما اور آزادی کی تحریک کے اہم کردار تھے۔ انھوں نے ستیہ گرہ اور اہنسا (عدم تشدد) کو اپنا ہتھیار بنایا۔ ستیہ گرہ، ظلم کے خلاف عوامی سطح پر منظم سول نافرمانی ہے جو عدم تشدد پر مبنی ہے۔ یہ طریقۂ کار ہندوستان کی آزادی کی وجہ بنی اور ساری دنیا کے لیے حقوقِ انسانی اور آزادی کی تحاریک کے لیے روحِ رواں ثابت ہوئی۔ بھارت میں انھیں احترام سے مہاتما گاندھی اور باپو کہا جاتا ہے۔ 30 جنوری۔ 1948ء کو ایک ہندو قوم پرست نتھورام گوڈسے نے ان کا قتل کر دیا۔

جواہر لعل نہرو: جواہر لعل نہرو بھارت کے پہلے وزیرِ اعظم تھے۔ وہ انڈین نیشنل کانگرس کے رہنما اور تحریکِ آزادیٔ ہند کے اہم کردار تھے۔ اپنی زندگی میں وہ پنڈت نہرو یا پنڈت جی کے نام سے بھی جانے جاتے رہے۔

حوالات: قید، تحویل، حراست، نظر بندی، پہرے میں رکھنا۔ وہ جگہ جہاں ملزم کو کیس یا مقدمے کا فیصلہ ہونے تک نظر بند رکھا جائے۔

1935ء کا ایکٹ: حکومتِ برطانیہ نے اپنی نوآبادی ہندوستان کے عوام کو چند آئینی مراعات دی تھیں۔ عوام اسے ''نیا قانون'' کہتے تھے۔

parho.pk

سبق کا خلاصہ

منگو ایک کوچوان تھا جسے اپنے اڈے میں بہت عقل مند آدمی سمجھا جاتا تھا۔ وہ پڑھا لکھا بالکل نہیں تھا کیوں کہ وہ کبھی سکول نہیں گیا تھا۔ مگر اس سب کے باوجود وہ ہر چیز کا علم رکھتا تھا۔ دنیا کے اندر کیا ہو رہا ہے منگو کو اس کی معلومات تھیں۔ اڈے کے اکثر کوچوان اس کی معلومات سے خوب فائدہ اٹھاتے تھے۔ منگو نے اسپین میں جنگ چھڑنے کی پیش گوئی کی تھی جو سچ ثابت ہوئی۔ جس کی وجہ سے اڈے کے دوسرے کوچوان اس کی عقل مندی کے معترف ہو گئے۔

ایک دن منگو کسی سواری کے ساتھ ہندو مسلم فساد پر تبادلہ خیال کر رہا تھا۔ اس روز شام کے قریب جب وہ اڈے پر آیا تو باتوں باتوں میں ہندو مسلم فساد پر بحث چھڑ گئی۔

منگو کوچوان کو انگریزوں سے بڑی نفرت تھی اور اس نفرت کی وجہ وہ یہ بتلایا کرتا تھا کہ وہ ہندوستان پر اپنا سکہ چلاتے ہیں اور مقامی لوگوں پر طرح طرح کے ظلم ڈھاتے ہیں۔ دراصل انگریزوں سے متنفر ہونے کی سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ چھاؤنی کے گورے اسے بہت ستایا کرتے تھے۔ جب وہ کسی شرابی انگریز سے اُلجھتا یا کسی سے ذلیل ہوتا تو اڈے پر موجود لوگوں کے سامنے ان کی برائیاں کرتا، گالیاں بکتا اور کسی نئے قانون جس سے انگریز ٹل جائیں، کا انتظار کرتا۔

اسے معلوم ہوا کہ یکم اپریل سے آئین نافذ ہوگا۔ نتھو گنجا پگڑی بغل میں دبائے اڈے میں داخل ہوا تو منگو نے اسے نئے قانون کے متعلق بتایا اور اپنی خوش فہمی سے بھی آگاہ کیا۔ ایک روز دو بیرسٹروں کے مابین نئے قانون کی باتیں سنتے ہوئے اسے یوں محسوس ہوا کہ یہ نئے قانون کے خلاف ہیں اور آزادی نہیں چاہتے۔ اس نے دبے الفاظ میں ان کو ''ٹوڈی بچے'' کہا۔ اس واقعے کے تیسرے روز گورنمنٹ کالج کے تین طلبہ اس کے تانگے میں سوار ہوئے اور انھوں نے نئے قانون کے فوائد پر روشنی ڈالی کہ نئے قانون کے تحت ڈگری ہولڈرز کو روزگار ملے گا۔ سرکار نوکریاں پیدا کرے گی۔ منگو کے نظریات میں اب نئے قانون کی اہمیت بڑھ گئی۔ اس نے نئے قانون کے متعلق مثبت اور منفی دونوں آرا سن رکھی تھیں، مگر وہ اپنی خود ساختہ سوچ کو ہی سب پر ترجیح دیتا تھا۔

ایک دن منگو کو دو مارواڑیوں کی باتوں سے پتا چلا کہ ہندوستان میں نیا قانون نافذ ہونے والا ہے، جس سے اسے یہ امید تھی کہ انگریزوں کی حکومت کا خاتمہ ہو جائے گا۔ اس نے نئے قانون کے بارے میں بہت کچھ سنا اور اپنے ذہن میں روشن تصور قائم کر لیا تھا۔

آخرکار مارچ کے اکتیس دن ختم ہو گئے اور یکم اپریل آ گئی۔ یکم اپریل کو وہ صبح سویرے ہی نئے قانون کا نظارہ کرنے نکلا۔ اسے ہر چیز پرانی ہی نظر آئی۔ مایوسی میں اسے خوش پوش طلبہ کے کپڑے میلے میلے نظر آئے۔ تانگے کو دائیں ہاتھ موڑ کر وہ تھوڑی دیر بعد پھر انارکلی میں تھا۔ بازار کی آدھی دکانیں کھل چکی تھیں اور اب لوگوں کی آمد و رفت بھی بڑھ گئی تھی۔ حلوائی کی دکانوں پر خوب بھیڑ تھی۔ بجلی کے تاروں پر کئی کبوتر آپس میں لڑ رہے تھے۔ مگر استاد منگو کے لیے ان تمام چیزوں میں کوئی دل چسپی نہ تھی۔ وہ نئے قانون کو دیکھنا چاہتا تھا۔ ٹھیک اسی طرح جس طرح وہ اپنے گھوڑے کو دیکھ رہا تھا۔

وہ نئے قانون کو دیکھنے کے لیے گھر سے نکلا تھا۔ ٹھیک اسی طرح جیسے وہ گاندھی یا جواہر لعل نہرو کے جلوس کا نظارہ کرنے کے لیے نکلا کرتا تھا۔ نئے قانون سے کوئی تبدیلی نظر نہ آنے کے باوجود بھی وہ ناامید نہیں تھا اور نئے قانون کے نافذ ہونے کے بعد کی تبدیلیوں کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ اسی دوران میں چھاؤنی میں ایک گورے کے ساتھ استاد منگو کی مڈبھیڑ ہو گئی اور اس نے گورے کو دھڑا دھڑ پیٹنا شروع کر دیا۔

وہاں لوگ جمع ہو گئے اور پولیس کے دو سپاہیوں نے بڑی مشکل سے گورے کو استاد منگو کی گرفت سے چھڑایا۔ استاد منگو کی سانس پھولی ہوئی تھی اور اس نے اپنی مسکراتی ہوئی آنکھوں سے حیرت زدہ مجمع کی طرف دیکھ کر ہانپتی ہوئی آواز میں کہا:

''وہ دن گزر گئے، جب خلیل خاں فاختہ اڑایا کرتے تھے۔۔۔ اب نیا قانون ہے میاں۔۔۔ نیا قانون!''

استاد منگو کو پولیس پکڑ کر لے گئی۔ وہ سارے راستے اور تھانے میں نیا قانون چلاّ تا رہا۔ مگر کسی نے ایک نہ سنی اور بالآخر اُسے یہ سننے کو ملا: ''نیا قانون، کیا بک رہے ہو۔۔۔ قانون وہی ہے پرانا!'' اور اسے حوالات میں بند کر دیا گیا۔

مرکزی خیال

اس افسانے کا مرکزی خیال ایک آدمی کے دِل و دِماغ میں آزادی کے حصول کی تمنا اور اپنے محدود دائرے میں رہتے ہوئے آزادی کی جدوجہد میں اپنا حصہ ڈالنے کا جذبہ ہے۔ سعادت حسن منٹو نے اس افسانے کے ذریعے عام لوگوں کے نئے قانون کے بارے میں خیالات اور داخلی و خارجی کشمکش کو اُجاگر کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس افسانے کا مرکزی کردار اُستاد منگو ہے۔ استاد منگو کو آزادی کی ایک علامت کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔ استاد منگو کی کہانی کے ذریعے سعادت حسن منٹو نے ہندوستان کے معاشرتی اور سیاسی حالات کی تصویر کشی کی ہے۔ افسانہ ''نیا قانون'' برصغیر کے عام آدمی کی انگریزوں سے نفرت اور نئے قانون سے امید کی عکاسی کرتا ہے۔ منگو کی انگریزوں سے نفرت کی بنیادی وجہ ان کا ظلم اور ذلت آمیز سلوک ہے۔ وہ نئے قانون سے یہ امید وابستہ کر لیتا ہے کہ اس کے لاگو ہونے سے انگریزوں سے چھٹکارا مل جائے گا۔ لیکن کوئی نیا قانون نہیں ہے۔ قانون تو وہی پرانا ہے جس کے مطابق ہندوستان انگریزوں کا غلام ہے۔ ان کا ہر حکم بجالانے کا پابند اور ان کے ظلم سہنے کا عادی ہے۔

اہم عبارات کی تشریح

نوٹ: (جو طلبہ ہر عبارت کا الگ الگ سیاق وسباق نہیں لکھ سکتے، وہ اس سبق کی کسی بھی عبارت کی تشریح سے قبل درج ذیل اجمالی سیاق وسباق لکھ سکتے ہیں۔)

سیاق وسباق

منگو کوچوان اپنے اڈے میں نہایت عقل مند آدمی سمجھا جاتا تھا۔ وہ پڑھا لکھا بالکل نہیں تھا۔ وہ کبھی اسکول تک نہیں گیا تھا مگر اس سب کے باوجود وہ ہر چیز کا علم رکھتا تھا۔ اس کے علم وفہم کا ذریعہ سواریوں سے ملنے والی خبریں اور افواہیں تھیں۔ منگو کو انگریزوں سے سخت نفرت تھی۔ وہ ان کی بدسلوکی سے نہایت تنگ اور عاجز تھا۔ ان سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لیے منگو نئے قانون کا خواہاں تھا۔ آخر کار وہ سواری سے نئے قانون کی خبر سنتا ہے تو اس کی خوشی کا کوئی ٹھکانا نہیں رہتا۔ وہ اس قانون سے بہت سی توقعات وابستہ کر لیتا ہے لیکن یکم اپریل کو جب وہ نیا قانون دیکھنے کے لیے گھر سے نکلتا ہے تو سب کچھ پہلے جیسا ہی ہوتا ہے۔ اسی دوران میں منگو کا ایک انگریز سے جھگڑا ہو جاتا ہے اور پولیس اسے گرفتار کر کے تھانے لے جاتی ہے۔ وہ نیا قانون، نیا قانون کہتا رہتا ہے، جس کے جواب میں اسے کہا جاتا ہے کہ قانون وہی ہے، پرانا۔ اسے حوالات میں بند کر دیا جاتا ہے اور منگو کی ساری امیدیں خاک میں مل جاتی ہیں۔

عبارت نمبر 1

منگو کوچوان اپنے اڈے میں بہت عقل مند آدمی سمجھا جاتا تھا۔ گو اس کی تعلیمی حیثیت صفر کے برابر تھی اور اس نے کبھی اسکول کا منھ بھی نہیں دیکھا تھا۔ لیکن اس کے باوجود اسے دنیا بھر کی چیزوں کا علم تھا۔ اڈے کے وہ تمام کوچوان جن کو یہ جاننے کی خواہش ہوتی تھی کہ دنیا کے اندر کیا ہو رہا ہے، استاد منگو کی وسیع معلومات سے اچھی طرح واقف تھے۔

پچھلے دنوں جب استاد منگو نے اپنی ایک سواری سے اسپین میں جنگ چھڑ جانے کی افواہ سنی تھی تو اس نے گاما چودھری کے چوڑے کاندھے پر تھپکی دے کر مدبرانہ انداز میں پیش گوئی کی تھی: ''دیکھ لینا گاما چودھری، تھوڑے ہی دنوں میں اسپین کے اندر جنگ چھڑ جائے گی۔''

سیاق وسباق

تشریح طلب سبق کی پہلی عبارت ہے، اس میں مصنف نے ایک عام ہندوستانی منگو کوچوان کا ذکر کیا ہے جو انگریزوں سے سخت نفرت کرتا ہے۔

تشریح طلب عبارت کے بعد مصنف کہتے ہیں کہ ایک روز منگو نے اسپین میں جنگ چھڑنے کی پیش گوئی کی تھی، جو سچ ثابت ہوئی۔ جس کی وجہ سے اڈے کے دوسرے کوچوان اس کی عقل مندی کے قائل ہو گئے۔ اس کا خیال تھا کہ انگریز ناجائز طور پر ہندوستان پر قابض ہیں۔ ان سے نفرت کی وجہ ان کا ظلم وستم اور بدسلوکی تھی۔ وہ ان سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لیے نئے قانون کا خواہاں تھا۔ ایک دن وہ سواری سے نئے قانون کے نفاذ کی خبر سنتا ہے۔ اس کی خوشی کا کوئی ٹھکانا نہیں رہتا۔ وہ نئے قانون سے بہت سی توقعات وابستہ کر لیتا ہے۔ بالآخر یکم اپریل آ جاتی ہے۔ وہ نیا قانون دیکھنے کے لیے گھر سے نکلتا ہے، لیکن ہر شے پرانی اور پہلے جیسی ہوتی ہے۔ اسی دوران میں اس کا ایک انگریز سے جھگڑا ہو جاتا ہے۔ پولیس منگو کو گرفتار کر کے حوالات میں بند کر دیتی ہے اور وہ چلّاتا رہتا ہے، ''نیا قانون، نیا قانون'' اسے جواب ملتا ہے کہ قانون تو وہی پرانا ہے۔

تشریح

سعادت حسن منٹو اردو کے عظیم افسانہ نگار تھے۔ انھوں نے سماجی سچائیوں کو جرأت مندانہ انداز میں پیش کیا ہے۔ ان کا اندازِ تحریر سادہ مگر اثر انگیز ہے۔ ان کے افسانے ''نیا قانون'' میں استحصالی نظام پر گہری طنز ہے۔ اس کہانی میں استاد منگو کا کردار انگریز راج کے خلاف ایک عام ہندوستانی کے جذبات کی عکاسی کرتا ہے۔

تشریح طلب عبارت میں مصنف نے منگو کوچوان کی شخصیت کو بڑی چابک دستی سے پیش کیا ہے۔ منگو کوچوان اپنے اڈے میں بہت عقل مند سمجھا جاتا تھا۔ اس کی تعلیمی حیثیت صفر کے برابر تھی۔ وہ سکول نہیں گیا تھا مگر اس کے باوجود وہ دنیا کے بارے میں بہت کچھ جانتا تھا۔ وہ معلومات کتابوں سے حاصل نہیں کرتا تھا۔ وہ لوگوں سے بات چیت کر کے اور مشاہدہ کر کے سیکھتا تھا۔ وہ تانگا چلاتے ہوئے اپنی سواریوں کی باتیں دھیان سے سنتا اور ان پر غور کرتا تھا۔ وہ جب بھی کوئی نئی بات سنتا تو اسے یاد رکھتا اور اپنی سمجھ کے مطابق اس کا تجزیہ کرتا۔ یہی وجہ تھی کہ اڈے کے دوسرے کوچوان اس کی باتوں کو اہمیت دیتے تھے اور اسے ''استاد منگو'' کہتے تھے۔ اڈے کے تمام کوچوان جو کہ دنیا کے تازہ ترین حالات جاننے کی خواہش رکھتے تھے، استاد منگو کی معلومات سے فائدہ اٹھاتے تھے۔

بات چاہے بے سلیقہ ہو کلیم بات کہنے کا سلیقہ چاہیے (کلیم عاجز)

منگو کو سیاست میں خاصی دل چسپی تھی۔ وہ جانتا تھا کہ دنیا میں جو کچھ ہو رہا ہے، اس کا اثر کسی نہ کسی طرح عام آدمی کی زندگی پر ضرور پڑتا ہے۔ وہ سمجھتا تھا کہ قوانین، حکومتوں اور جنگوں کے اثرات عام لوگوں تک پہنچتے ہیں۔ اس نے یہ سب کچھ کتابوں کے ذریعے نہیں بلکہ روزمرہ کی بات چیت اور تجربے سے سیکھا تھا۔ وہ کوئی نئی بات سنتا تو اسے اڈے کے دوسرے کوچوانوں کو بھی بتاتا۔ اس کے بیان کرنے کے انداز میں اعتماد اور بے باکی ہوتی تھی۔ اسی لیے دوسرے کوچوان اس کی باتوں کو غور سے سنتے تھے۔ ایمرسن کا قول ہے کہ:

''خود اعتمادی کامیابی کا سب سے بڑا راز ہے۔''

ایک دن منگو اپنے معمول کے مطابق تانگے پر سواریاں لے کر جا رہا تھا۔ اس کی عادت تھی کہ وہ اپنی سواریوں کی گفت گو بڑے غور سے سنتا تھا کیوں کہ سواریوں کی گفت گو سے اسے بہت کچھ سیکھنے کو ملتا تھا۔ اس نے اپنی ایک سواری سے سنا کہ اسپین میں جنگ ہونے والی ہے۔ یہ اس کے لیے ایک بہت بڑی خبر تھی۔ اسے اسپین اور اسپین میں ہونے والی جنگ کی وجوہات کا کچھ علم نہیں تھا۔ پھر بھی اڈے پر پہنچتے ہی اس نے گاما چودھری کے کندھے پر ہاتھ رکھا اور پُراعتماد انداز میں بہت بڑی خبر دی۔ اس نے کہا: ''دیکھ لینا چودھری! تھوڑے ہی دنوں میں اسپین میں جنگ چھڑ جائے گی۔'' اسے یقین تھا کہ دنیا کی بڑی طاقتیں اپنی مرضی سے حکومتیں بناتی اور گراتی ہیں۔ وہ جنگ کی وجوہات کو نہیں سمجھتا تھا۔ لیکن عام آدمی کی زندگی پر جنگ کے اثرات کو اچھی طرح سمجھتا تھا۔ اسے یہ بھی یقین تھا کہ جنگ دنیا کے خواہ کسی کونے میں ہو، عام آدمی کے لیے بہت بڑی خبر ہوتی ہے۔ اسی یقین کے تحت اس نے گاما چودھری کے سامنے اسپین کی جنگ کی پیش گوئی کی تھی۔ گاما چودھری نے بھی دل چسپی لیتے ہوئے پوچھا کہ اسپین کہاں ہے؟ منگو نے فوراً جواب دیا ''ولایت میں اور کہاں؟'' اس کا یہ جواب بظاہر غلط تھا لیکن اس کی سادگی کو ظاہر کرتا ہے۔ اس وقت عام لوگ یورپ

کے تمام ملکوں کو ''ولایت'' ہی سمجھتے تھے۔ برطانوی حکومت کے دور میں زیادہ تر ہندوستانیوں کے لیے ولایت کا مطلب ''انگلستان'' ہوتا تھا کیوں کہ انگریزوں کی زیادہ تر تعداد انگلستان سے تھی اور زیادہ تر حکمران، افسران اور حکومتی فیصلے لندن سے آتے تھے۔

اسپین کی جنگ دراصل ایک خانہ جنگی تھی جو 1936ء سے 1939ء تک جاری رہی۔ اسپین یورپ کا ایک ملک ہے جس کا دارالحکومت میڈرڈ ہے۔ اسپین کی جنگ دو گروہوں کے درمیان تھی۔ ایک طرف جمہوریت کے حامی تھے جو عوام کی حکومت چاہتے تھے۔ دوسری طرف فاشسٹ تھے جو سخت حکمرانی کے حامی تھے۔ مزدور، کسان اور عام لوگ غربت کا شکار تھے۔ جب کہ امیر طبقہ مزید امیر ہو رہا تھا۔ جب اسپین میں انتخابات ہوئے تو جمہوریت پسندوں کی حکومت بنی۔ فاشسٹ گروہ نے حکومت کے خلاف بغاوت کر دی۔ یوں اسپین میں ایک بڑی خانہ جنگی چھڑ گئی۔ جنگ تین سال تک جاری رہی۔ لاکھوں لوگ مارے گئے۔ کئی شہروں کو تباہ کر دیا گیا اور اسپین کو شدید نقصان پہنچا۔ جنگ ہمیشہ تباہی لاتی ہے۔ جنگ سے مسائل حل نہیں ہوتے بلکہ پیدا ہوتے ہیں۔ بقول ساحر لدھیانوی:

؎ جنگ تو خود ہی ایک مسئلہ ہے　　جنگ کیا مسئلوں کا حل دے گی
آگ اور خون آج بخشے گی　　بھوک اور احتیاج کل دے گی

منگو کو ان تفصیلات کا علم نہیں تھا لیکن وہ جانتا تھا کہ جب دنیا میں جنگ ہوتی ہے تو غریب عوام اس کا شکار ہوتے ہیں۔ منگو کی سب سے بڑی خوبی یہ تھی کہ وہ سیاست میں گہری دل چسپی رکھتا تھا۔ وہ سنی سنائی باتوں پر یقین رکھتا تھا اور اس انداز سے دوسروں کو بتاتا تھا کہ وہ بھی ان پر یقین کرنے لگتے تھے۔

؎ وہ جھوٹ بول رہا تھا بڑے سلیقے سے　　میں اعتبار نہ کرتا تو اور کیا کرتا

منگو کے کردار سے ظاہر ہوتا ہے کہ ایک عام کوچوان بھی سیاست کو سمجھ سکتا ہے۔ وہ رسمی تعلیم یافتہ نہ ہونے کے باوجود دنیا کے معاملات پر رائے رکھ سکتا ہے۔ منگو کا علم سننے، دیکھنے اور سوچنے کا نتیجہ تھا۔ وہ سیاست اور دنیا کے حالات کو اپنی نظر سے دیکھتا تھا اور اپنی زبان میں بیان کرتا تھا۔ یہی چیز اسے دوسروں سے منفرد بناتی تھی۔

منگو کے کردار میں ایک عام آدمی کی معصومیت اور سادگی دکھائی گئی ہے۔ ذمہ داریوں کے بوجھ تلے دبا ایک عام آدمی زندگی، دنیا اور آس پاس کے ماحول کو کس طرح دیکھتا اور سمجھتا ہے، منگو کے کردار میں اس کی ایک جھلک نظر آتی ہے۔ اس کی ہر بات سادہ نظر آتی ہے لیکن سادہ ہے نہیں۔

؎ باندھا ہر اِک خیال بڑی سادگی کے ساتھ　　لیکن کوئی خیال بھی سادہ نہیں کہا　　(عاصم واسطی)

عبارت نمبر 2

اسپین کی جنگ چھڑی اور جب ہر شخص کو پتہ چل گیا تو اسٹیشن کے اڈے میں جتنے کوچوان حقہ پی رہے تھے دل ہی دل میں استاد منگو کی بڑائی کا اعتراف کر رہے تھے اور استاد منگو اس وقت مال روڈ کی چمکیلی سطح پر تانگا چلاتے ہوئے کسی سواری سے تازہ ہندو مسلم فساد پر تبادلہ خیال کر رہا تھا۔

سیاق و سباق

تشریح طلب عبارت سے پہلے مصنف بتاتے ہیں کہ منگو کوچوان اپنے اڈے میں نہایت عقل مند آدمی سمجھا جاتا تھا۔ حالاں کہ وہ پڑھا لکھا نہیں تھا مگر اس کے باوجود وہ ہر چیز کا علم رکھتا تھا۔ اس کے علم و فہم میں اضافے کا واحد ذریعہ اس کی سواریاں تھیں جن کی باتیں غور سے سنتا رہتا تھا۔

تشریح طلب عبارت کے بعد مصنف بتاتے ہیں کہ منگو کو انگریزوں سے سخت نفرت تھی۔ اس نفرت کی بڑی وجہ ان کی ہندوستانیوں کے ساتھ بدسلوکی اور حقارت تھی۔ انگریزوں سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لیے وہ نئے قانون کا خواہاں تھا۔ ایک دن سواری سے نئے قانون کے نفاذ کی خبر سُن کر اس کی خوشی کا کوئی ٹھکانا نہیں رہتا۔ وہ یکم اپریل کو نیا قانون دیکھنے کے لیے گھر سے نکلتا

ہے لیکن ہر شے پرانی اور پہلے جیسی ہوتی ہے۔اسی دوران میں اس کا جھگڑا ایک انگریز سے ہو جاتا ہے۔پولیس منگو کو گرفتار کر کے حوالات میں بند کر دیتی ہے اور وہ ''نیا قانون، نیا قانون'' چلّاتا رہتا ہے۔

تشریح

سعادت حسن منٹو اردو کے عظیم افسانہ نگار تھے۔انھوں نے سماجی سچائیوں کو جرأت مندانہ انداز میں پیش کیا ہے۔ان کا اندازِ تحریر سادہ مگر اثر انگیز ہے۔ان کے افسانے ''نیا قانون'' میں استحصالی نظام پر گہری طنز ہے۔اس کہانی میں استاد منگو کا کردار انگریز راج کے خلاف ایک عام ہندوستانی کے جذبات کی عکاسی کرتا ہے۔

مصنف کہتے ہیں کہ ایک دن استاد منگو نے ایک سواری سے سنا کہ اسپین میں جنگ چھڑنے والی ہے۔یہ صرف ایک افواہ تھی لیکن منگو کے لیے یہ کافی تھی۔اس نے اپنے تجربے اور مشاہدے کی بنیاد پر گاما چودھری سے کہا ''دیکھ لینا، اسپین میں جنگ ضرور چھڑ جائے گی۔'' منگو کی پیش گوئی کا اڈے پر سب کو علم ہو گیا تھا لیکن کسی نے اس کی بات کو سنجیدہ نہیں لیا تھا۔کچھ دن بعد اسپین میں واقعی جنگ چھڑ گئی۔یہ خبر اسٹیشن کے اڈے میں کوچوانوں تک پہنچی تو سب حیران رہ گئے۔وہ سب جو پہلے منگو کی پیش گوئی پر ہنستے تھے اب دل ہی دل میں اس کی بڑائی کا اعتراف کر رہے تھے۔منگو کے علم و فہم کی دھاک سب پر بیٹھ چکی تھی۔جو اس کی باتوں کو سنجیدگی سے نہیں لیتا تھا اب اس کی عقل مندی کا قائل ہو چکا تھا۔

آ مجھے سن کہ ہو تجھے معلوم　　　کیسی ہوتی ہیں خوب تر باتیں　　　(عاصم واسطی)

اسپین یورپ کا ایک ملک ہے جس کے دارالحکومت کا نام میڈرڈ ہے۔استاد منگو نے جب سواریوں کی زبانی اسپین کے حالات سنے تھے، اس وقت وہاں خانہ جنگی شروع ہو چکی تھی۔منگو نے انھیں کی باتوں سے اندازہ لگایا تھا کہ اسپین میں جنگ ضرور چھڑ جائے گی۔حقیقت یہ تھی کہ اسپین کی کسی ملک کے ساتھ براہِ راست جنگ نہیں ہوئی تھی یہ ملک کے اندر ہی دو گروہوں کا باہمی تصادم تھا۔یہ خانہ جنگی دو بڑے نظریات کے درمیان تھی۔ایک طرف جمہوریت پسند اور دوسری طرف فاشسٹ۔اسپین کی خانہ جنگی 1936ء سے 1939ء تک جاری رہی۔اس خانہ جنگی میں جمہوریت پسندوں کو شکست ہوئی اور کئی سال تک اسپین میں آمریت قائم رہی۔اس جنگ میں لاکھوں لوگ مارے گئے اور ملک کو شدید نقصان پہنچا تھا۔بقول انتظار حسین:

''قوموں کو جنگیں تباہ نہیں کرتیں، قومیں اس وقت تباہ ہوتی ہیں، جب جنگ کے مقاصد بدل جاتے ہیں۔''

اڈے پر اسپین کے محلِ وقوع اور جنگ کی وجوہات کا کسی کو علم نہیں تھا۔خود منگو کو بھی جنگ کی تفصیلات معلوم نہیں تھیں۔لیکن وہ جانتا تھا کہ دنیا میں جب کوئی جنگ ہوتی ہے تو اس کے اثرات بہت بھیانک ہوتے ہیں۔وہ پہلی عالمی جنگ کے نتائج دیکھ چکا تھا وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ جنگ سے مسائل حل نہیں ہوتے بلکہ بڑھتے ہیں۔بقول ساحر لدھیانوی:

جنگ تو خود ہی ایک مسئلہ ہے　　　جنگ کیا مسئلوں کا حل دے گی
آگ اور خون آج بخشے گی　　　بھوک اور احتیاج کل دے گی

جس وقت سب کوچوان اسٹیشن کے اڈے پر بیٹھ کر منگو کی ذہانت پر بات کر رہے تھے، استاد منگو مال روڈ پر تانگا چلا رہا تھا۔وہ حسبِ عادت کسی سواری سے تازہ ہندو مسلم فسادات پر تبادلۂ خیال کر رہا تھا۔ان دنوں ہندو مسلم فسادات کی خبریں عام تھیں۔یہ فسادات اچانک نہیں بھڑکے تھے بلکہ ان کے پیچھے کئی محرکات تھے۔استاد منگو جانتا تھا کہ ہندوستان میں ہندو اور مسلمان کئی صدیوں سے ساتھ رہ رہے تھے۔مذہبی اختلاف کے باوجود وہ مل جل کر زندگی گزار رہے تھے۔لیکن انگریزوں کی حکومت نے ان کے درمیان دراڑ ڈال دی تھی۔انگریزوں نے ہمیشہ ''لڑاؤ اور حکومت کرو'' کی پالیسی اپنائی۔وہ نہیں چاہتے تھے کہ ہندو اور مسلمان متحد ہوں۔اگر ہندو اور مسلمان ایک ہو جاتے تو انگریزوں کے لیے حکومت کرنا مشکل ہو جاتا۔یہی وجہ تھی کہ وہ دونوں قوموں کے درمیان اختلافات کو ہوا دیتے تھے۔جس کا نتیجہ فسادات کی صورت میں نکلتا تھا۔بقول شاعر:

ایک اپنا دیا جلانے کو　　　تم نے لاکھوں دیے بجھا دیے　　　(شکیب جلالی)

parho.pk

ایک اور شاعر کے بقول:

؎ نفرتیں بیچنے والوں کی بھی مجبوری ہے　　مال تو چاہیے دکان چلانے کے لیے　(شفیق جمالی)

استاد منگو کا ذہن تیز تھا۔ وہ لوگوں سے باتیں سن کر اور معلومات اکٹھی کر کے نتیجہ نکالنے کی صلاحیت رکھتا تھا۔ اسے انگریزوں سے نفرت تھی اور وہ انگریزوں کی چالوں کو سمجھ چکا تھا۔ سواریوں کی باتوں سے اس نے بھانپ لیا تھا کہ اسپین میں جنگ ہونے والی ہے۔ وہ ہندو مسلم فسادات کے پیچھے محرکات کا بھی اندازہ لگانے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ ہندو مسلم فسادات کسی بڑی سازش کا حصہ ہیں۔ بقول شاعر:

؎ کس نے ڈالی ہے فضاؤں میں یہ میلی چادر　　شب کے ماتھے پہ لہو رنگ نشان ہے کیسا　(نصرت گوالیاری)

استاد منگو مال روڈ کی چمکیلی سطح پر تانگا چلاتے ہوئے سواری سے باتیں کر رہا تھا۔ وہ اسی طرح سواریوں سے باتیں کر کے یا ان کی باتیں سن کر ملکی اور عالمی حالات سے واقفیت حاصل کرتا تھا۔ وہ حاصل شدہ معلومات سے نتائج نکالنے کا بھی ماہر ہو چکا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ انگریز ہندوستانیوں کو ہمیشہ اپنا غلام بنانا چاہتے ہیں۔ منگو ان کے بھیانک ارادوں کا اندازہ تھا۔ وہ تعلیم یافتہ نہیں تھا لیکن پھر بھی اسے آزادی کی قدر و قیمت معلوم تھی۔ اسی لیے اسے انگریزوں سے نفرت تھی۔ بقول بو علی سینا:

"آزادی دنیا کی بہترین چیزوں میں سے ہے۔"

منگو کی سب سے بڑی خوبی یہ تھی کہ وہ سیاست پر گہری نظر رکھتا تھا۔ وہ لوگوں سے سیاسی حالات پر گفت گو بھی کرتا تھا۔ اپنے ساتھیوں سے وہ صرف سیاست پر باتیں نہیں کرتا تھا بلکہ ان پر یقین بھی رکھتا تھا۔ اس کا انداز ایسا ہوتا تھا کہ لوگ اس کی باتوں کو اہمیت بھی دیتے تھے۔

مصنف نے منگو کے کردار کو سادگی سے پیش کیا ہے۔ اس نے دکھایا ہے کہ ایک عام کوچوان بھی سیاست کو سمجھنے کی کوشش کرتا ہے۔ تعلیم یافتہ نہ ہونے کے باوجود وہ دنیا کے معاملات پر اپنی رائے رکھ سکتا ہے۔ یہی چیز منگو کے کردار کو دل چسپ بناتی ہے۔

اس سلسلہ میں عبادت بریلوی لکھتے ہیں: "نیا قانون یوں دیکھنے میں ایک کوچوان اُستاد منگو کے خیالات اور چند حرکات و سکنات سے متعلق ایک کہانی ہے۔ لیکن اس کو پیش کرتے ہوئے منٹو نے اُس زمانے کی سیاسی حالت سے جس کشمکش کو پیدا کیا ہے اور اس کا نقشہ بھی کھینچا ہے۔ لیکن کوئی ایسی بات نہیں کی جس سے اس کشمکش کا کوئی حل بھی نکل سکے۔"

عبارت نمبر 3

استاد منگو کو انگریزوں سے بڑی نفرت تھی اور اس نفرت کا سبب تو وہ یہ بتلایا کرتا تھا کہ وہ ہندوستان پر اپنا سکہ چلاتے ہیں اور طرح طرح کے ظلم ڈھاتے ہیں۔ مگر اس کے تنفر کی سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ چھاؤنی کے گورے اسے بہت ستایا کرتے تھے۔ وہ اس کے ساتھ ایسا سلوک کرتے تھے گویا وہ ایک ذلیل کتا ہے۔ اس کے علاوہ اسے ان کا رنگ بھی بالکل پسند نہ تھا۔ جب کبھی وہ گورے کے سرخ و سپید چہرے کو دیکھتا تو اُسے متلی آ جاتی۔ نامعلوم کیوں وہ کہا کرتا تھا کہ ان کے لال جھریوں بھرے چہرے دیکھ کر مجھے وہ لاش یاد آ جاتی ہے جس کے جسم پر سے اوپر کی جھلی گل گل کر جھڑ رہی ہو۔

سیاق و سباق

تشریح طلب عبارت سے پہلے مصنف کہتے ہیں کہ منگو ایک کوچوان ہے جو پڑھا لکھا نہیں مگر اس کے باوجود وہ اپنے اڈے میں سب سے عقل مند سمجھا جاتا ہے۔ دنیا کے اندر کیا ہو رہا ہے، منگو کو اس کی معلومات ہیں۔ منگو کے پاس ان معلومات کا واحد ذریعہ اس کی سواریاں ہیں، جن کی باتیں وہ بڑی غور سے سنتا اور نتائج نکالتا تھا۔ منگو کو انگریزوں سے سخت نفرت تھی۔

تشریح طلب عبارت کے بعد مصنف کہتے ہیں کہ منگو انگریزوں سے اس قدر نفرت کرتا ہے کہ انھیں دیکھ کر اسے متلی آ جاتی ہے۔ وہ ان سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لیے نئے قانون کا خواہاں ہے۔ جب وہ ایک سواری سے نئے قانون کے نفاذ کی خبر سنتا ہے تو بے حد خوش ہوتا ہے، لیکن یکم اپریل کو جب وہ نیا قانون دیکھنے کے لیے گھر سے نکلتا ہے تو سب کچھ پہلے جیسا ہوتا ہے۔

اسی دوران میں منگو کی لڑائی ایک انگریز سے ہو جاتی ہے۔ وہ چلاتے ہوئے نئے قانون کی بات کرتا ہے لیکن پولیس اسے حوالات میں بند کر دیتی ہے۔

تشریح

سعادت حسن منٹو اردو کے عظیم افسانہ نگار تھے۔ انھوں نے سماجی سچائیوں کو جرأت مندانہ انداز میں پیش کیا ہے۔ ان کا اندازِ تحریر سادہ مگر اثر انگیز ہے۔ ان کے افسانے ''نیا قانون'' میں استحصالی نظام پر گہری طنز ہے۔ اس کہانی میں استاد منگو کا کردار انگریز راج کے خلاف ایک عام ہندوستانی کے جذبات کی عکاسی کرتا ہے۔

تشریح طلب عبارت میں منگو کی انگریزوں سے نفرت کا بیان ہے۔ اس کے دل میں انگریزوں کے خلاف شدید نفرت تھی۔ اس کی وجہ ان کے بُرے رویے تھے۔ ان کے بُرے رویوں کی وجہ سے منگو کو ان کے حلیے بھی بُرے لگنے لگے تھے۔ اسے ان کے چہرے بالکل پسند نہیں تھے۔ جب وہ ان کے سرخ و سفید چہرے دیکھتا تو اسے متلی آنے لگتی۔ اسے ان کے لال جھریوں بھرے چہرے دیکھ کر کراہت محسوس ہوتی تھی۔ وہ کہتا تھا کہ ان کے چہروں کو دیکھ کر مجھے لاش یاد آتی ہے جس کی اوپری جلد گل چکی ہو۔ یہ محض اس کا خیال نہیں تھا بلکہ اس کے اندر کی شدید نفرت کا اظہار تھا۔ اسے ان کا رنگ، ان کا انداز اور ان کا غرور سب کچھ ناگوار لگتا تھا۔ وہ انھیں دیکھ کر پریشان ہو جاتا تھا اور دل ہی دل میں ان سے مزید بیزار ہوتا جاتا تھا۔

منگو انگریزوں کی شکلوں سے اس لیے بیزار تھا کہ وہ اسے تنگ کرتے تھے۔ شکل و صورت، رنگ و نسل اور حسب نسب کی بنیاد پر کسی سے نفرت نہیں کی جا سکتی۔ اسلام میں یہ سخت ناپسندیدہ عمل ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''اے لوگو! ہم نے تمھیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور تمھیں قوموں اور قبیلوں میں تقسیم کیا تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچانو۔ بے شک تم میں سب سے زیادہ عزت والا اللہ کے نزدیک وہی ہے جو سب سے زیادہ متقی ہے۔'' (سورۃ الحجرات)

انگریز یہاں کے لوگوں کو ان کے رنگ و نسل کی وجہ سے حقیر اور کمتر سمجھتے تھے۔ آنحضور خَاتَمُ النَّبِيِّيْنَ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ نے حجۃ الوداع کے خطبے میں رنگ و نسل کی بنیاد پر کسی کو کمتر یا برتر سمجھنے سے منع فرمایا ہے۔ آپ خَاتَمُ النَّبِيِّيْنَ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ کا ارشاد مبارک ہے:

''کسی عربی کو عجمی پر اور کسی عجمی کو عربی پر، کسی گورے کو کالے پر اور کسی کالے کو گورے پر کوئی فضیلت حاصل نہیں سوائے تقویٰ کے۔''

چھاؤنی میں رہنے والے انگریز افسروں کا رویہ صرف منگو کے ساتھ ہی بُرا نہیں تھا بلکہ وہ ہر غریب ہندوستانی کے ساتھ ایسا ہی سلوک کرتے تھے۔ ان کے نزدیک ہندوستانی غریب اور کمتر لوگ تھے اور وہ صرف غلامی کے لیے پیدا ہوئے تھے۔ اگر کوئی ہندوستانی ان کے سامنے آجاتا تو وہ اسے دھتکار دیتے تھے۔ کوئی ان کے راستے میں آجاتا تو وہ اس کی تحقیر کرتے تھے۔ یہ سب دیکھ کر منگو کا دل کڑھتا تھا۔ اسے لگتا تھا کہ انگریزوں نے اس ملک کو اپنی جاگیر سمجھ رکھا ہے۔ وہ یہاں کے لوگوں کے ساتھ جانوروں سے بھی بدتر سلوک کرتے تھے۔

منگو تعلیم یافتہ نہیں تھا لیکن اسے اپنے حقوق کا پتہ تھا۔ اسے معلوم تھا کہ رنگ و نسل کی بنیاد پر کسی کو کمتر سمجھنا غیر اخلاقی ہے۔ اس کے لیے یہ بات ناقابلِ برداشت تھی کہ ہر غریب ہندوستانی انگریزوں کے ظلم کا شکار ہو۔ ہر محنت کش ہندوستانی انگریزوں کے ہاتھوں اپنی عزتِ نفس سے محروم ہو۔ لیکن انگریزوں کے خلاف اس کی یہ مذمت بے سود تھی۔ کیوں کہ انگریز حکومت نے یہاں کے لوگوں کو بے بس کر دیا تھا۔ یہ سب کچھ دیکھ کر وہ اس نتیجے پر پہنچا تھا کہ انگریز ہندوستانیوں کے خیر خواہ نہیں بلکہ ان کے سب سے بڑے دشمن تھے۔ یہی وجہ تھی جب وہ انگریزوں کو دیکھتا تو اسے شدید غصہ آجاتا۔ وہ ان کے چہروں سے نفرت کرتا تھا۔ ان کی شکلیں دیکھ کر اسے متلی آتی تھی۔ اسے معلوم تھا کہ انگریزوں نے ہندوستان کو غلام بنا کر ان کے تمام وسائل پر قبضہ کر لیا ہے۔ وہ یہاں کے لوگوں پر ظلم ڈھا کر ان کے منہ کا نوالہ بھی چھین لینا چاہتے تھے۔ منگو غریب کوچوان تھا لیکن اس کے مزاج میں انگریزوں کے مظالم کے خلاف بغاوت کا جذبہ تھا۔ وہ دوستوں میں بیٹھ کر اکثر اپنے جذبات کا اظہار بھی کرتا رہتا تھا۔ وہ ظلم کے نظام کو دل سے قبول

کرنے کے لیے ہرگز تیار نہیں تھا۔ بقول شاعر:

ظلم سہنا بھی تو ظالم کی حمایت ٹھہرا   خامشی بھی ہوئی پشت پناہی کی طرح

(پروین شاکر)

وہ ایک غریب کوچوان تھا لیکن ظلم کے نظام کو ناپسند کرتا تھا۔ وہ اس نظام کے خلاف بات کرتا اور اسے تبدیل کرنے کا خواہش مند تھا۔

دیپ جس کا محلات ہی میں جلے
چند لوگوں کی خوشیوں کو لے کر چلے
وہ جو سائے میں ہر مصلحت کے پلے
ایسے دستور کو صبح بے نور کو
میں نہیں مانتا میں نہیں جانتا

(حبیب جالب)

استاد منگو کے خیالات اس کے تجربے اور مشاہدے کا نتیجہ تھے۔ وہ صرف سنتا نہیں تھا بلکہ ہر بات پر غور بھی کرتا تھا۔ انگریزوں کے جبر اور ہندوستان کی غلامی کے بارے میں اس کی سوچ باقی کوچوانوں سے مختلف تھی۔ ایک عام آدمی ہوتے ہوئے بھی وہ حالات پر نظر رکھتا تھا۔ اسے یقین تھا کہ انگریزوں کا ظلم ہمیشہ نہیں چلے گا۔ ایک دن ضرور ایسا آئے گا جب ہندوستانی جاگیں گے اور اس ظلم سے نجات پالیں گے۔ اسے یقین تھا کہ:

ظلم پھر ظلم ہے بڑھتا ہے تو مٹ جاتا ہے   خون پھر خون ہے ٹپکے گا تو جم جائے گا

عبارت نمبر 4

جب کسی نشے میں دھت گورے سے اس کا جھگڑا ہو جاتا تو سارا دن اس کی طبیعت مکدّر رہتی اور وہ شام کو اڈے میں آکر ہل مارکہ سگریٹ پیتا یا حقّے کے کش لگاتے ہوئے اس گورے کو جی بھر کر سنایا کرتا۔ ''۔۔۔۔۔۔'' یہ موٹی گالی دینے کے بعد وہ اپنے سر کو ڈھیلی پگڑی سمیت جھٹکا دے کر کہتا تھا: ''آگ لینے آئے تھے اب گھر کے مالک ہی بن گئے ہیں۔ ناک میں دم کر رکھا ہے ان بندروں کی اولاد نے۔ یوں رعب گانٹھتے ہیں گویا ہم ان کے باوا کے نوکر ہیں۔

سیاق و سباق

تشریح طلب عبارت سے پہلے مصنف کہتے ہیں کہ منگو کوچوان پڑھا لکھا نہیں تھا لیکن پھر بھی وہ اپنے اڈے میں سب سے زیادہ سمجھ دار سمجھا جاتا تھا۔ منگو کو دنیا کے تمام بدلتے حالات کا علم تھا اور اس کی معلومات کا واحد ذریعہ اس کی سواریاں تھیں۔ اُسے انگریزوں سے سخت نفرت تھی اور اس نفرت کی سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ وہ ہندوستان پر اپنا سکہ چلاتے تھے اور ہندوستانیوں پر طرح طرح کے ظلم ڈھاتے تھے۔

تشریح طلب عبارت کے بعد مصنف کہتے ہیں کہ استاد منگو انگریزوں سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لیے نئے قانون کا خواہاں تھا۔ جب وہ اپنی ایک سواری سے نئے قانون کے نفاذ کی خبر سنتا ہے تو بے حد خوش ہوتا ہے، لیکن جب وہ یکم اپریل کو گھر سے نیا قانون دیکھنے کے لیے نکلتا ہے تو اُسے سب کچھ پہلے جیسا نظر آتا ہے۔ اسی دوران میں ایک انگریز سے اس کی لڑائی ہو جاتی ہے۔ وہ نیا قانون، نیا قانون چلاتا رہتا ہے لیکن پولیس اسے حوالات میں بند کر دیتی ہے۔

تشریح

سعادت حسن منٹو اردو کے عظیم افسانہ نگار تھے۔ انھوں نے سماجی سچائیوں کو جرأت مندانہ انداز میں پیش کیا ہے۔ ان کا اندازِ تحریر سادہ مگر اثر انگیز ہے۔ ان کے افسانے ''نیا قانون'' میں استحصالی نظام پر گہری طنز ہے۔ اس کہانی میں استاد منگو کا کردار انگریز راج کے خلاف ایک عام ہندوستانی کے جذبات کی عکاسی کرتا ہے۔

parho.pk

استاد منگو ایک عام کوچوان تھا۔ وہ غیر تعلیم یافتہ تھا مگر اس کے خیالات گہرے تھے۔ وہ زندگی کے تجربات سے سیکھتا تھا اور دنیا کے حالات کو سمجھنے کی کوشش کرتا تھا۔ اسے انگریزوں سے سخت نفرت تھی۔ اس نفرت کی کئی وجوہات تھیں۔ سب سے پہلی وجہ تو یہ تھی کہ انگریزوں نے ہندوستان کو غلام بنا رکھا تھا۔ وہ یہاں کے لوگوں پر حکومت کرتے تھے۔ انھوں نے ہندوستان کے لوگوں کے حقوق چھینے تھے اور ان کے ساتھ بُرا سلوک کرتے تھے۔ استاد منگو کو یہ سب ناانصافی لگتی تھی۔ اسے لگتا تھا کہ انگریز زبردستی ہندوستان پر قابض ہو گئے ہیں اور اب خود کو یہاں کا مالک سمجھتے ہیں۔ استاد منگو ایک آزادی پسند آدمی تھا۔ وہ آزادی کی قدر و قیمت جانتا تھا اس لیے غلامی کو ناپسند کرتا تھا۔ وہ کوئی فلسفی اور مفکر نہیں تھا مگر اسے اس بات پر مکمل یقین تھا کہ:

بندگی میں گھٹ کے رہ جاتی ہے اک جوئے کم آب ۔۔۔ اور آزادی میں بحرِ بیکراں ہے زندگی

(علامہ محمد اقبالؒ)

ایک اور شاعر کے بقول:

نہ ہوگا ہند میں تُو ہی، حکومت بھی نہ یہ ہوگی ۔۔۔ دیو گی دام چمڑے کے چلا لے اور تھوڑے دن

منگو کی انگریزوں سے سخت نفرت کی دوسری وجہ یہ تھی کہ چھاؤنی کے گورے افسر استاد منگو جیسے عام لوگوں کو انسان نہیں سمجھتے تھے۔ وہ انھیں حقیر جانتے تھے اور ان کے ساتھ بہت بُرا سلوک کرتے تھے۔ خاص طور پر جب کوئی گورا شراب کے نشے میں دھت ہوتا تو وہ اور زیادہ بدتمیزی کرتا۔ اگر کبھی کوئی کوچوان یا مزدور اس کے راستے میں آ جاتا تو وہ اسے دھکا دے دیتا یا گالی دے کر چلا جاتا۔ گورے افسروں کی عادت تھی کہ وہ چھاؤنی کی طرف آنے والے غریب کوچوانوں کو تنگ کر کے لطف لیتے تھے۔ منگو ان کے رویے سے سخت نفرت تھی۔ وہ ایک غریب لیکن خوددار آدمی تھا اور وہ چاہتا تھا کہ ہر شخص کی عزت کی جائے۔ جب وہ دیکھتا کہ انگریز صرف اپنی طاقت کے بل پر دوسروں کو ذلیل کرتے ہیں تو اس کا خون کھول اٹھتا۔

تُو خنجرِ ظلم کا ظالم چلا لے اور تھوڑے دن ۔۔۔ غریبوں بے گناہوں کو ستا لے اور تھوڑے دن

اسلامی تعلیمات کے مطابق بطور انسان ہر شخص عزت و احترام کے لائق ہے۔ اسلام میں رنگ و نسل، خاندان، مال و دولت اور مقام و مرتبے کے لحاظ سے کوئی کمتر یا برتر نہیں۔ قرآنِ مجید میں عزت و احترام کا معیار تقویٰ بتایا گیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ (سورۃ الحجرات:13)

ترجمہ: "بے شک تم میں سب سے زیادہ عزت والا اللہ کے نزدیک وہ ہے جو سب سے زیادہ متقی ہے۔"

گورے افسر خود کو برتر سمجھتے تھے اس لیے وہ عام ہندوستانیوں کے ساتھ بُرا سلوک کرتے تھے۔ استاد منگو کو بھی اکثر ان کے بُرے رویے کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔ جب کبھی کسی نشے میں دھت گورے سے اس کا جھگڑا ہو جاتا تو وہ سارا دن غصے میں رہتا۔ اس کی طبیعت بوجھل ہو جاتی اور وہ چڑچڑا ہو جاتا۔ وہ اپنے دل کی بھڑاس نکالنے کے لیے شام کو اڈے پر آتا۔ وہاں بیٹھ کر کبھی سگریٹ پیتا، کبھی حقے کے کش لگاتا اور اپنا تمام غصہ انگریزوں پر نکالتا۔ وہ غصے میں آ کر انھیں موٹی موٹی گالیاں دیتا اور کہتا کہ یہ لوگ ہمارے ملک میں زبردستی گھس آئے ہیں۔ ان کا ہمارے ملک سے کوئی تعلق نہیں مگر یہ خود کو یہاں کا مالک سمجھتے ہیں۔ وہ اکثر کہتا تھا:

"آگ لینے آئے تھے، اب گھر کے مالک بن گئے ہیں!"

منگو کو یہ بات سب سے زیادہ چبھتی تھی کہ وہ لوگ جو مہمان بن کر آئے تھے، انھوں نے زبردستی سب کچھ اپنے قبضے میں کر لیا تھا۔ منگو اپنا غصہ نکالنے کے لیے کہتا: "آگ لینے آئے تھے، اب گھر کے مالک بن گئے ہیں۔" یہ ضرب المثل ایسے موقعے پر استعمال ہوتی ہے جب کوئی شخص یا گروہ کسی چھوٹے یا وقتی مقصد کے تحت کسی جگہ آئے لیکن بعد میں اس پر مکمل قبضہ جما لے۔ انگریز بھی 1600ء میں محض تجارت کے بہانے ہندوستان آئے تھے۔ ابتدا میں انھوں نے "ایسٹ انڈیا کمپنی" کے ذریعے مقامی حکمرانوں سے اجازت لے کر تجارتی مراکز قائم کیے۔ رفتہ رفتہ انھوں نے یہاں اپنا اثر و رسوخ بڑھا لیا۔ 1757ء کی جنگِ پلاسی اور 1764ء کی بکسر کی جنگ میں کامیابی کے بعد انھوں نے بنگال، بہار اور اڑیسہ کا نظم و نسق سنبھال لیا۔ اپنی فوجی طاقت اور سفارتی چالاکیوں کے بل بوتے پر انھوں نے ہندوستان پر قبضہ جما لیا۔ مقامی حکمرانوں کی کمزوری اور باہمی نااتفاقی سے بھی انھوں نے بھرپور فائدہ اٹھایا۔ 1857ء کی جنگِ آزادی

parho.pk

کے بعد برطانوی حکومت نے براہِ راست ہندوستان پر حکومت شروع کر دی۔ منگو اس تمام واقعے کو بیان کرنے کے لیے یہ ضرب المثل برمحل اور بہترین انداز میں استعمال کرتا تھا۔

وہ غصے میں کہتا کہ انگریزوں نے سب کی ناک میں دم کر رکھا ہے۔ وہ ہندوستانیوں کو اپنا غلام سمجھتے ہیں اور ان پر حکم چلاتے ہیں۔ وہ ہندوستانیوں کو برابر کا انسان نہیں سمجھتے۔ اسے انگریزوں کے غرور اور تکبر سے سخت نفرت تھی۔ وہ ان کے لیے سخت الفاظ استعمال کرتا اور انھیں بندروں کی اولاد کہتا۔ یہ الفاظ ظاہر کرتے ہیں کہ وہ انگریزوں کو ناپسند کرتا تھا اور انھیں ذلیل اور کمتر سمجھتا تھا۔ وہ یہ بھی کہتا تھا کہ انگریز ایسے اکڑ کر چلتے ہیں جیسے ہم سب اُن کے باپ کے نوکر ہیں۔

منگو کا کردار ایک عام ہندوستانی کے خیالات کی نمائندگی کرتا ہے۔ منگو کی باتوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس وقت ہندوستان کے عام لوگ کس طرح انگریزوں سے شدید نفرت کرتے تھے۔ وہ ان کی ظالمانہ حکومت کو سخت ناپسند کرتے تھے اور ان کے اقتدار کے خاتمے کی دعا کرتے تھے۔

عبارت نمبر 5

جب تک اس کا کوئی ساتھی اس کے پاس بیٹھا رہتا، وہ اپنے سینے کی آگ اگلتا رہتا، ''شکل دیکھتے ہو نا تم اس کی۔ ۔۔۔۔ جیسے کوڑھ ہو رہا ہے۔۔۔۔ بالکل مردار، ایک دھپے کی مار اور گٹ پٹ یوں بک رہا تھا جیسے مار ہی ڈالے گا۔ تیری جان کی قسم، پہلے پہل جی میں آئی کہ ملعون کی کھوپڑی کے پرزے اڑا دوں، لیکن اس خیال سے ٹل گیا کہ اس مردود کو مارنا اپنی ہتک ہے۔ ۔۔۔۔'' یہ کہتے کہتے وہ تھوڑی دیر کے لیے خاموش ہو جاتا اور ناک کو خاکی قمیص سے صاف کرنے کے بعد پھر بڑبڑانے لگ جاتا، ''قسم ہے بھگوان کی ان لاٹ صاحبوں کے ناز اٹھاتے اٹھاتے تنگ آ گیا ہوں۔ جب کبھی ان کا منحوس چہرہ دیکھتا ہوں، رگوں میں خون کھولنے لگ جاتا ہے۔ کوئی نیا قانون وانون بنے تو ان لوگوں سے نجات ملے۔ تیری قسم جان میں جان آ جائے۔''

سیاق و سباق

تشریح طلب عبارت سے پہلے مصنف بتاتے ہیں کہ منگو کوچوان پڑھا لکھا نہیں تھا مگر اس کے باوجود وہ اپنے اڈے میں عقل مند سمجھا جاتا تھا۔ دنیا میں کیا ہو رہا ہے، منگو کو اس کی معلومات تھیں۔ منگو کے پاس ان معلومات کا واحد ذریعہ اس کی سواریاں تھیں، استاد منگو کو انگریزوں سے سخت نفرت تھی۔ وہ جب انھیں دیکھتا، اس کے ذہن میں لاشیں آ جاتیں۔ چھاؤنی کے انگریز افسر اسے بلاوجہ تنگ کرتے تھے۔ جس کے سبب اس کی نفرت اور حقارت میں اضافہ ہو جاتا۔

تشریح طلب عبارت کے بعد مصنف بتاتے ہیں کہ منگو نے نئے قانون سے بہت سی امیدیں وابستہ کر لی تھیں۔ اس کے بارے میں سوچتے ہی اس کا ذہن روشن ہو جاتا۔ بالآخر یکم اپریل آ گئی۔ وہ نئے قانون کو دیکھنے کے لیے گھر سے نکلا، لیکن شہر میں انگریزوں کی اجارہ داری قائم تھی۔ چھاؤنی میں ایک گورے سے استاد منگو کا جھگڑا ہو گیا اور پولیس منگو کو گرفتار کر کے لے گئی۔ وہ سارے راستے اور تھانے میں ''نیا قانون، نیا قانون'' چلاتا رہا۔ لیکن قانون تو وہی پرانا تھا۔ چناں چہ اسے حوالات میں بند کر دیا گیا۔

تشریح

سعادت حسن منٹو اردو کے عظیم افسانہ نگار تھے۔ انھوں نے سماجی سچائیوں کو جرأت مندانہ انداز میں پیش کیا ہے۔ ان کا اندازِ تحریر سادہ مگر اثر انگیز ہے۔ ان کے افسانے ''نیا قانون'' میں استحصالی نظام پر گہری طنز ہے۔ اس کہانی میں استاد منگو کا کردار انگریز راج کے خلاف ایک عام ہندوستانی کے جذبات کی عکاسی کرتا ہے۔

تشریح طلب عبارت میں منگو کی انگریزوں سے نفرت کے بارے میں بتایا گیا ہے۔ استاد منگو ایک عام کوچوان تھا مگر اس کے دل میں غلامی کی زنجیروں کو توڑنے کی شدید خواہش تھی۔ وہ انگریزوں سے سخت نفرت کرتا تھا۔ وہ سمجھتا تھا کہ انگریزوں نے ہندوستان پر ناجائز قبضہ کر رکھا ہے اور یہاں کے لوگوں کو غلام بنا رکھا ہے۔ انگریز ہندوستانیوں کو کمتر سمجھتے تھے اور ان کے ساتھ بُرا سلوک

parho.pk

کرتے تھے۔ خاص طور پر غریب لوگ جیسے کوچوان، مزدور اور عام شہری ان کے ظلم و ستم کا زیادہ شکار ہوتے تھے۔ ظلم و ستم کسی بھی معاشرے کی تباہی کا پیش خیمہ ثابت ہوتا ہے۔ اسی لیے اسلام ظلم و جبر کی مخالفت کرتا ہے۔ اسلامی معاشرے میں لوگوں کو ظلم سے نفرت دلائی جاتی ہے، حکمرانوں کو ظلم روکنے کی ہدایت کی جاتی ہے تاکہ معاشرے میں کمزور طبقوں کا استحصال نہ ہو۔ آنحضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ وسلم کا فرمان مبارک:

"لوگ جب ظالم کو ظلم کرتا ہوا دیکھیں اور اسے نہ روکیں تو قریب ہے کہ اللہ کی طرف سے ان سب پر عذاب نازل ہو جائے۔"

منگو کی انگریزوں سے نفرت کی ایک اور وجہ یہ تھی کہ وہ خود ان کے ظلم کا شکار تھا۔ جب وہ چھاؤنی کی طرف جاتا تو وہاں کے گورے افسر اور فوجی اسے بہت تنگ کرتے۔ کبھی اس پر حکم چلاتے۔ کبھی مذاق اڑاتے اور کبھی دھکے دے کر اسے بے عزت کرتے۔ یہ سب دیکھ کر اس کے دل میں شدید غصہ بھڑک اٹھتا۔ وہ چاہتا کہ ان سے بدلہ لے مگر اسے اپنی کمزوری اور بے بسی کا بھی احساس تھا۔ اس کے پاس نہ کوئی طاقت تھی اور نہ اختیار تھا۔ اس لیے اسے یہ بے عزتی سہنی پڑتی تھی۔ منگو اس ظلم سے تنگ آ چکا تھا اور وہ چاہتا تھا کہ اس سے نجات ملے۔

کچھ ظلم و ستم سہنے کی عادت بھی ہے ہم کو ؎ کچھ یہ ہے کہ دربار میں سنوائی بھی کم ہے

(ضیا ضمیر)

جب کوئی انگریز افسر منگو کے ساتھ بُرا سلوک کرتا تو منگو اسے دل ہی دل میں گالیاں دیتا تھا۔ منگو کے پاس اس وقت کچھ بھی کرنے کی طاقت نہیں ہوتی تھی۔ اس وقت وہ بے بسی سے سب کچھ برداشت کر لیتا۔ مگر جب وہ واپس اڈے پر آتا تو اپنے دوستوں کے ساتھ بیٹھ کر انگریزوں کو جی بھر کر گالیاں دیتا۔ وہ ان پر لعنت بھیجتا اور ان کے خلاف بول کر اپنے دل کا غصہ نکالتا۔ اپنی ناراضی ظاہر کرنے کا اس کے پاس یہی طریقہ تھا۔ اپنے دوستوں کے ساتھ بیٹھ کر وہ انگریزوں کے خلاف کھل کر نفرت کا اظہار کرتا۔ وہ کہتا کہ گوروں کی شکل ایسے ہے جیسے انھیں کوڑھ ہو رہا ہو۔ بالکل مردار جیسے لگتے ہیں۔ وہ کہتا کہ انگریز فوجی جس نے اس کی بے عزتی کی تھی اس میں جسمانی طاقت بالکل نہیں تھی۔ وہ اپنی گٹ پٹ یعنی انگریزی کا رعب جھاڑ رہا تھا۔ باتوں سے وہ ایسے رعب جھاڑ رہا تھا جیسے مار ڈالے گا لیکن وہ محض باتیں ہی کر سکتا تھا۔ اس میں مارنے کی طاقت بالکل نہیں تھی۔ منگو کہتا ہے کہ اس انگریز کی باتیں سن کر مجھے غصہ تو بہت آیا، جی چاہا کہ اس ملعون کی کھوپڑی توڑ دوں لیکن اس مردود کو مارنا مجھے توہین محسوس ہو رہی تھی۔ اس لیے میں نے اسے کچھ نہیں کہا۔ حضرت علیؓ کا فرمان مبارک ہے:

"انتقام لینے میں جلدی کرنا انتہائی رذالت ہے"

منگو کو اچھی طرح معلوم تھا کہ گورے کو مارنے کا کیا نتیجہ نکلے گا۔ اسے اپنی کمزوری اور گورے کی طاقت کا خوب اندازہ تھا۔ اپنی توہین اور بے عزتی کو ضبط سے برداشت کرنا اس کی مجبوری تھی لیکن وہ اپنے دوستوں کے سامنے خود کو بے بس اور مجبور ظاہر نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اس کی باتوں سے اس کا غصہ اور بے بسی نمایاں ہے۔ اس کی باتوں سے یہی مطلب نکلتا ہے کہ وہ انگریزوں کو سبق سکھانا چاہتا تھا مگر وہ یہ بھی جانتا تھا کہ ایسا کرنا ممکن نہیں۔

انگریزوں کے رویے سے دل برداشتہ ہو کر منگو اپنے دوستوں میں بیٹھ کر انھیں خوب کوستا۔ وہ انھیں برا بھلا کہتے کہتے کچھ دیر کے لیے خاموش ہو جاتا۔ وہ اپنے غصے کو قابو میں لانے کی کوشش کرتا۔ وہ اپنی خاکی قمیص کی آستین سے اپنی ناک صاف کرتا اور دوبارہ بُڑبڑانے لگتا **"قسم ہے بھگوان کی، ان لاٹ صاحبوں کے ناز اٹھاتے اٹھاتے تنگ آ گیا ہوں۔"** "لاٹ صاحب" دراصل لارڈ صاحب (Lord Sahib) ہے۔ "لاٹ صاحب" برطانوی دورِ حکومت میں طنزیہ طور پر وائسرائے یا کسی اعلیٰ انگریز افسر کو کہا جاتا تھا۔ بعد میں یہ اصطلاح مغرور یا خود کو برتر سمجھنے والے افراد کے لیے بھی طنز کے طور پر استعمال ہونے لگی۔ منگو بھی یہاں مغرور انگریز افسروں کو طنز اور تحقیر کے طور پر "لاٹ صاحب" کہہ رہا ہے۔ اسے انگریزوں کی شکل سے بھی نفرت ہو گئی تھی۔ وہ بڑبڑاتے ہوئے کہتا ہے **"جب بھی ان کا منحوس چہرہ دیکھتا ہوں، رگوں میں خون کھولنے لگ جاتا ہے۔"** یہ الفاظ منگو کی انگریزوں سے نفرت کی شدت کو ظاہر

کرتے ہیں۔ منگو غریب اور محنتی کوچوان تھا۔ وہ محنت سے پیٹ پالتا تھا۔ وہ نہ کوئی جرم کرتا تھا اور نہ ہی وہ قانون توڑتا تھا۔ انگریز صرف اپنے احساسِ برتری کی وجہ سے اس کی توہین کرتے تھے۔ اس لیے اسے انگریزوں کے رویے پر غصہ آتا تھا۔ وہ ہر وقت انگریزوں کی غلامی سے نجات پانے کا خواب دیکھتا تھا۔ غلامی سے نجات پانے کا خواب ایک صورت میں پورا ہو سکتا تھا اور وہ تھا کوئی نیا قانون۔ اس کا خیال تھا کہ کوئی نیا قانون بنے گا تو انگریزوں سے نجات ملے گی۔ نئے قانون سے اس بہت سی امیدیں وابستہ کی ہوئی تھیں۔ وہ اپنے دوستوں سے کہتا تھا کہ نیا قانون آنے سے اس کی جان میں جان آجائے گی۔

؎ آ مجھے سن کہ ہو تجھے معلوم کیسی ہوتی ہیں خوب تر باتیں

(عاصم واسطی)

یہ سارا واقعہ اس بات کو ظاہر کرتا ہے کہ اُس وقت ہندوستان میں عام لوگوں کا کیا حال تھا۔ وہ سب انگریزوں کے ظلم سے تنگ آچکے تھے مگر ان کے پاس کوئی راستہ نہیں تھا۔ وہ انتظار کر رہے تھے کہ کب انگریز یہاں سے جائیں اور وہ اپنی زندگی اپنی مرضی کے مطابق گزار سکیں۔ استاد منگو بھی اسی امید میں تھا اور آزادی کے خواب دیکھ رہا تھا۔

عبارت نمبر 6

دو مارواڑی جو کچہری میں اپنے دیوانی مقدمے کے سلسلے میں آئے تھے، گھر جاتے ہوئے جدید آئین یعنی انڈیا ایکٹ کے متعلق آپس میں بات چیت کر رہے تھے۔ ''سنا ہے پہلی اپریل سے ہندوستان میں نیا قانون چلے گا کیا ہر چیز بدل جائے گی؟'' ''ہر چیز تو نہیں بدلے گی مگر کہتے ہیں کہ بہت کچھ بدل جائے گا۔ اور ہندوستانیوں کو آزادی مل جائے گی۔''
''کیا بیاج کے متعلق بھی کوئی نیا قانون پاس ہوگا؟'' ''یہ پوچھنے کی بات ہے، کل کسی وکیل سے دریافت کریں گے۔''
ان مارواڑیوں کی بات چیت استاد منگو کے دل میں ناقابلِ بیان خوشی پیدا کر رہی تھی۔ وہ اپنے گھوڑے کو ہمیشہ گالیاں دیتا تھا اور چابک سے بہت بُری طرح پیٹا کرتا تھا مگر اُس روز وہ بار بار پیچھے مڑ کر مارواڑیوں کی طرف دیکھتا اور اپنی بڑھی ہوئی مونچھوں کے بال ایک انگلی سے بڑی صفائی کے ساتھ اونچے کر کے گھوڑے کی پیٹھ پر باگیں ڈھیلی کرتے ہوئے بڑے پیار سے کہتا: ''چل بیٹا! ذرا ہوا سے باتیں کر کے دکھا دے۔''

سیاق و سباق

تشریح طلب عبارت سے پہلے مصنف کہتے ہیں کہ منگو کوچوان ان پڑھ ہونے کے باوجود اپنے اڈے میں سب سے زیادہ عقل مند سمجھا جاتا تھا۔ اسے دنیا بھر کے حالات کا علم تھا اور ان معلومات کا واحد ذریعہ اس کی سواریاں تھیں۔ اسے انگریزوں سے سخت نفرت تھی اور وہ ان سے جان چھڑانا چاہتا تھا۔ لہٰذا جب وہ سنتا ہے کہ ہندوستان میں نیا قانون نافذ ہونے والا ہے تو اس کی خوشی کی کوئی انتہا نہیں رہتی۔
تشریح طلب عبارت کے بعد مصنف کہتے ہیں کہ وہ نئے قانون کی خوشی مناتے ہوئے لسی پیتا ہے اور نئے قانون سے بہت سی امیدیں وابستہ کر لیتا ہے کہ اس کے نفاذ سے انگریزوں سے جان چھوٹ جائے گی۔ لیکن جب وہ یکم اپریل کو نیا قانون دیکھنے کے لیے گھر سے نکلتا ہے تو سب کچھ پہلے جیسا ہوتا ہے۔ اس روز منگو کی لڑائی ایک انگریز سے ہو جاتی ہے۔ منگو نیا قانون، نیا قانون چلاتا رہتا ہے۔ لیکن پولیس اُسے حوالات میں بند کر دیتی ہے۔

تشریح

سعادت حسن منٹو اردو کے عظیم افسانہ نگار تھے۔ انھوں نے سماجی سچائیوں کو جرأت مندانہ انداز میں پیش کیا ہے۔ ان کا اندازِ تحریر سادہ مگر اثر انگیز ہے۔ ان کے افسانے ''نیا قانون'' میں استحصالی نظام پر گہری طنز ہے۔ اس کہانی میں استاد منگو کا کردار انگریز راج کے خلاف ایک عام ہندوستانی کے جذبات کی عکاسی کرتا ہے۔ وہ چاہتا تھا کہ ہر ہندوستانی انگریزوں سے ہر قسم کا تعلق ختم

کردے اور انگریز کی ناجائز حکومت سے وطن کی جان چھڑانے میں کردار ادا کرے۔

؎ تعلق چھوڑ دو گوروں سے اے ہندوستان والو! یہی کہتا پھروں گا میں وطن کے ہر برادر سے

تشریح طلب عبارت میں مصنف بتاتے ہیں کہ ایک دن منگو نے کچہری سے دو سواریاں اپنے تانگے پر بٹھائیں۔ دونوں سواریاں مارواڑی تھیں۔ مارواڑی بنیادی طور پر راجستھان کے علاقے مارواڑ سے تعلق رکھنے والے لوگوں کو کہا جاتا ہے۔ مارواڑی برادری روایتی طور پر کاروبار اور تجارت میں مہارت کی وجہ سے پورے ہندوستان میں مشہور ہے۔ مارواڑی زیادہ تر سود کا کام کرتے تھے اور پیسہ ادھار دے کر بیاج یعنی سود لیتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ وہ ہمیشہ پیسوں کے معاملے میں بہت ہوشیار رہتے تھے۔ وہ ملک کے ہر نئے قانون کو اپنے کاروبار کے لحاظ سے پرکھتے تھے۔ اس دن وہ کچہری میں اپنے دیوانی مقدمے کے سلسلے میں آئے تھے۔ دیوانی مقدمہ وہ ہوتا ہے جس میں دو فریقوں کے درمیان زمین، جائیداد، رقم یا کسی اور قانونی حق کا جھگڑا ہوتا ہے۔ یہ مقدمہ فوجداری مقدمے سے مختلف ہوتا ہے۔ فوجداری مقدمہ کسی جرم کے متعلق ہوتا ہے جیسے چوری، لڑائی یا قتل وغیرہ۔

جب یہ مارواڑی گھر واپس جا رہے تھے تو راستے میں ہندوستان میں نئے قانون یعنی ''انڈیا ایکٹ'' کے بارے میں گفت گو کر رہے تھے۔ نیا قانون دراصل ''گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ 1935ء'' تھا۔ یہ برطانوی حکومت کا سب سے تفصیلی قانون تھا۔ برِصغیر میں وفاقی طرزِ حکومت، صوبوں کو محدود خود مختاری دینا اور براہِ راست انتخابات کا نظام اس قانون کی نمایاں خصوصیات تھیں۔

ان میں سے ایک مارواڑی نے کہا کہ سنا ہے کہ پہلی اپریل سے ہندوستان میں نیا قانون چلے گا اور ہر چیز بدل جائے گی۔ دوسرے نے کہا کہ ''ہر چیز تو نہیں بدلے گی لیکن کہتے ہیں کہ بہت کچھ بدل ضرور جائے گا، ہندوستانیوں کو آزادی بھی مل جائے گی۔'' ان کی باتوں میں امید، خوشی اور جوش تھا لیکن ساتھ ہی کچھ خدشات بھی تھے۔ وہ سوچ رہے تھے کہ اس قانون کے بعد ان کے کاروبار پر کیا اثر پڑے گا۔ ایک نے کہا'' کیا بیاج کے متعلق بھی کوئی نیا قانون پاس ہوگا؟'' انھیں ڈر تھا کہ کہیں نئے قانون میں بیاج یعنی سود کے کاروبار میں کوئی ایسی تبدیلی نہ کر دی جائے جس سے ان کے مفادات کو ٹھیس پہنچے۔ دوسرے مارواڑی نے بھی اس پر تشویش کا اظہار کیا اور کہا کہ کل کسی وکیل سے اس کے بارے میں پوچھیں گے۔ وہ وکیل سے یہ پوچھنا چاہتے تھے کہ نئے قانون میں سود کے متعلق کیا کہا گیا ہے اور اس سے ان کے کاروبار پر کیا فرق پڑے گا۔ ارشاد خداوندی ہے:

''اللہ تعالیٰ سود کو مٹاتے ہیں اور صدقات کو بڑھاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ پسند نہیں کرتے کسی کفر کرنے والے کو (اور) کسی گناہ کے کام کرنے والے'' (سورۃ البقرہ:276)

استاد منگو کی یہ عادت تھی کہ وہ سواریوں کی گفت گو میں خاصی دل چسپی لیا کرتا تھا۔ اس کی معلومات کا ذریعہ سواریوں کی باتیں ہوتی تھیں۔ مارواڑی نئے قانون کے متعلق باتیں کر رہے تھے جنھیں سُن کر وہ بے حد خوش ہوگیا۔ وہ پہلے ہی انگریزوں کے خلاف تھا اور ہمیشہ آزادی کے خواب دیکھتا تھا۔ جب اس نے مارواڑیوں کی زبانی سنا کہ ہندوستان میں نیا قانون آنے والا ہے اور ہندوستانیوں کو آزادی ملنے والی ہے تو اس کا دل ناقابلِ بیان خوشی سے بھر گیا۔ اسے لگا کہ اب انگریز یہاں سے چلے جائیں گے اور ہندوستانیوں کو ان کا حق مل جائے گا۔ یہ خبر سُن کر وہ اتنا خوش ہوا کہ اس کا سارا غصہ جو ہمیشہ انگریزوں کے خلاف ہوتا تھا، ختم ہوگیا۔

مارواڑیوں کی گفت گو سُن کر استاد منگو کے مزاج میں عجیب تبدیلی آگئی۔ وہ ہمیشہ غصے میں رہتا تھا اور ہر بات پر تلخ ہو جاتا تھا۔ نئے قانون کے متعلق سننے کے بعد وہ نہایت خوش نظر آ رہا تھا۔ اس کا دل امیدوں سے بھر گیا تھا۔ وہ اپنے گھوڑے کو ہمیشہ گالیاں دیتا تھا اور چابک سے بُری طرح پیٹا کرتا تھا۔ اس کا سارا غصہ گھوڑے پر اترتا تھا۔ لیکن آج اس نے گھوڑے کی پیٹھ پر لگام ڈھیلی کر دی اور بڑے پیار سے کہا: ''چل بیٹا، ذرا ہوا سے باتیں کر کے دکھا۔'' پہلے گھوڑے کو تیز دوڑانے کے لیے وہ اسے بُری طرح پیٹتا تھا لیکن اب وہ گھوڑے پر مہربان ہوگیا تھا۔ وہ گھوڑے کو بغیر چابک مارے تیز دوڑانا چاہتا تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ اس کا گھوڑا تیز دوڑے اور وہ یہ خبر جلدی سے اپنے دوستوں کو سنا دے۔

؎ تُو خنجر ظلم کا ظالم چلا لے اور تھوڑے دن غریبوں، بے گناہوں کو ستا لے اور تھوڑے دن

مارواڑیوں کی باتیں سُن کر استاد منگو بہت خوش تھا۔ لیکن اسے نئے قانون کی حقیقت کا علم نہیں تھا۔ وہ صرف سنی سنائی باتوں پر یقین کر کے خوش ہو رہا تھا۔ وہ سمجھ رہا تھا کہ نئے قانون سے سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا۔ حالاں کہ حقیقت یہ تھی کہ انگریز ابھی ہندوستان سے نہیں جا رہے تھے۔ اس قانون کے ذریعے وہ صرف کچھ اصلاحات کر رہے تھے مگر استاد منگو کو اس بات کا اندازہ نہیں تھا۔ وہ اپنی خوش فہمی میں مگن تھا اور سوچ رہا تھا کہ ایک نئی صبح طلوع ہونے والی ہے۔

ے وائے خوش فہمی کہ پرواز سے بھی گئے   آسمان چھونے کی خواہش میں زمیں سے بھی گئے

(ظفر کلیم)

یہ اقتباس منگو کے جذبات، اس کی امیدوں اور اس کی سادگی کو ظاہر کرتا ہے۔ وہ سیاست کو گہرائی سے سمجھنے والا شخص نہیں تھا۔ وہ اپنی فہم کے ذریعے حالات کا اندازہ لگاتا تھا۔ اس کے دل میں آزادی کی شدید خواہش تھی اور اسی خواہش نے اس دن اسے بے حد خوش کر دیا تھا۔

عبارت نمبر 7

مارواڑیوں کو ان کے ٹھکانے پر پہنچا کر اس نے انار کلی میں دینو حلوائی کی دکان پر آدھ سیر دہی کی لسی پی کر ایک بڑی ڈکار لی اور مونچھوں کو منھ میں دبا کر ان کو چوستے ہوئے ایسے ہی بلند آواز میں کہا: ''ہت تیری ایسی کی تیسی!''

شام کو جب وہ اڈے کو لوٹا تو خلافِ معمول اسے وہاں اپنی جان پہچان کا کوئی آدمی نہ مل سکا۔ یہ دیکھ کر اس کے سینے میں ایک عجیب و غریب طوفان برپا ہو گیا۔ آج وہ ایک بڑی خبر اپنے دوستوں کو سنانے والا تھا۔ بہت بڑی خبر، اور اس خبر کو اپنے اندر سے نکالنے کے لیے وہ سخت مجبور تھا لیکن وہاں کوئی تھا ہی نہیں۔

سیاق و سباق

تشریح طلب عبارت سے پہلے مصنف کہتے ہیں کہ منگو کوچوان اڈے میں ان پڑھ ہونے کے باوجود سب سے زیادہ عقل مند سمجھا جاتا تھا۔ اسے دنیا کے تمام حالات کا علم تھا۔ منگو کے پاس ان معلومات کا واحد ذریعہ اس کی سواریاں تھیں۔ اسے انگریزوں سے سخت نفرت تھی۔ وہ جب انھیں دیکھتا، اس کے ذہن میں لاشیں آجاتیں جس سے اس کی نفرت میں اضافہ ہو جاتا۔ منگو جب اپنی سواریوں سے یکم اپریل کو نئے قانون کے نفاذ کی خبر سنتا ہے تو اس کی خوشی کی انتہا نہیں رہتی۔ اس خیال سے کہ جدید آئین کے نفاذ سے انگریز ہندوستان چھوڑ کر چلے جائیں گے اور ہندوستان آزاد ہو جائے گا، منگو دل ہی دل میں خوش ہوتا اور اس کے چہرے پر فاتحانہ مسکراہٹ آجاتی۔

تشریح طلب عبارت کے بعد مصنف کہتے ہیں کہ یکم اپریل کو منگو نیا قانون دیکھنے گھر سے باہر نکلتا ہے لیکن سب کچھ پہلے جیسا ہوتا ہے۔ اس دن اس کی لڑائی ایک انگریز سے ہو جاتی ہے۔ منگو نیا قانون، نیا قانون چلّاتا رہتا ہے لیکن قانون تو وہی پرانا تھا اور اسے حوالات میں بند کر دیا جاتا ہے۔

تشریح

سعادت حسن منٹو اردو کے عظیم افسانہ نگار تھے۔ انھوں نے سماجی سچائیوں کو جرأت مندانہ انداز میں پیش کیا ہے۔ ان کا اندازِ تحریر سادہ مگر اثر انگیز ہے۔ ان کے افسانے ''نیا قانون'' میں استحصالی نظام پر گہری طنز ہے۔ اس کہانی میں استاد منگو کا کردار انگریز راج کے خلاف ایک عام ہندوستانی کے جذبات کی عکاسی کرتا ہے۔

مصنف بتاتے ہیں کہ ایک دن استاد منگو بہت خوش تھا۔ اس نے کچہری سے دو مارواڑیوں کو اپنے تانگے پر بٹھایا تھا اور ان کی باتوں سے اسے پتہ چلا تھا کہ ہندوستان میں نیا قانون آنے والا ہے۔ یہ خبر اس کے لیے بہت بڑی تھی۔ وہ ہمیشہ انگریزوں سے نفرت کرتا تھا اور ان کے ظلم سے تنگ آچکا تھا۔ جب اس نے یہ سنا کہ اب ہندوستان میں نیا قانون آئے گا اور ہندوستانیوں کو آزادی ملے گی تو اس کے دل میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ وہ اپنے گھوڑے کو بہت نرمی سے چلا رہا تھا اور دل ہی دل میں آزادی کے بارے میں سوچ رہا تھا۔

ے بندگی میں گھٹ کے رہ جاتی ہے اک جوئے کم آب   اور آزادی میں بحرِ بیکراں ہے زندگی

(علامہ محمد اقبالؒ)

تشریح طلب عبارت میں مصنف کہتے ہیں کہ منگو نئے قانون کی خوش خبری سُن کر بہت خوش تھا اور اس خوشی کو دو بالا کرنا چاہتا تھا۔ سواریوں کو ان کے ٹھکانے پر پہنچا کر اس نے انار کلی کا رخ کیا۔ انار کلی میں دینو حلوائی کی دکان پر جا کر اس نے آدھ سیر دہی کی ٹھنڈی میٹھی لسی پی۔ انار کلی بازار میں دینو کی دکان مشہور تھی کیوں کہ وہاں کی لسی بہت مزیدار ہوتی تھی۔ عام دنوں میں استاد منگو یہاں زیادہ نہیں آتا تھا۔ لیکن آج بہت خوشی کا موقع تھا۔ اس لیے وہ خاص طور پر دینو حلوائی کی دکان سے مزیدار لسی پینے آیا تھا۔ اس نے پیٹ بھر کر لسی پی اور ایک بڑی ڈکار لی۔ پھر وہ اپنے مخصوص انداز میں مونچھوں کو منہ میں دبا کر انھیں چوسنے لگا۔ اس کے چہرے پر ایک عجیب فخر تھا۔ اس نے بلند آواز میں کہا "ہت تیری ایسی کی تیسی" یہ جملہ اس کی خوشی اور جوش کو ظاہر کر رہا تھا۔ وہ دل ہی دل میں انگریزوں کو کوس رہا تھا اور سوچ رہا تھا کہ اب ان کے دن گنے جا چکے ہیں۔

ے تُو خنجر ظلم کا ظالم چلا لے اور تھوڑے دن غریبوں، بے گناہوں کو ستا لے اور تھوڑے دن

نہ ہوگا ہند میں تُو ہی، حکومت بھی نہ یہ ہوگی دیوگی دام چمڑے کے چلا لے اور تھوڑے دن

شام کو وہ اپنے اڈے پر واپس آیا لیکن اسے حیرت ہوئی کہ وہاں اس کی جان پہچان والا کوئی موجود نہیں تھا۔ عام طور پر وہاں کئی کوچوان بیٹھے حقہ پیتے اور گپیں ہانکتے مل جاتے تھے۔ لیکن آج وہاں کوئی نہیں تھا۔ یہ دیکھ کر استاد منگو کے سینے میں ایک عجیب طوفان اٹھا۔ وہ بے چین ہو گیا۔ آج اس کے پاس سب سے بڑی خبر تھی۔ وہ اپنے دوستوں کو وہ خبر سنا کر خوش اور حیران کرنا چاہتا تھا۔ وہ اپنے دوستوں کو بتانا چاہتا تھا کہ ہندوستان میں نیا قانون آ رہا ہے۔ اب آزادی کا وقت قریب تھا۔ اب انگریزوں سے نجات ملنے والی تھی۔ وہ اتنی بڑی خبر اپنے سینے میں لیے پھرتا تھا لیکن اڈے پر کوئی سننے والا موجود نہیں تھا۔ یہ صورتِ حال اس کے لیے ناقابلِ برداشت تھی۔ استاد منگو کے لیے یہ صرف ایک خبر نہیں بلکہ اس کے خوابوں کی تعبیر تھی۔ وہ ہمیشہ انگریزوں کے خلاف بولتا تھا، ان سے نفرت کرتا تھا اور چاہتا تھا کہ وہ یہاں سے چلے جائیں۔ آج پہلی بار اسے ایسا لگا تھا کہ شاید اس کی خواہش پوری ہونے والی ہے۔ وہ یہ سوچ کر اڈے پر آیا تھا کہ جب وہ اپنے ساتھیوں کو اتنی بڑی خبر دے گا تو سب اس کی تعریف کریں گے اور اس کی عقل کی داد دیں گے۔ اسے امید تھی کہ یہ خبر سُن کر سب مل کر جشن منائیں گے۔ لیکن یہاں تو کوئی سننے والا تھا ہی نہیں۔

ے اِک عمر سے فریب سفر کھا رہے ہیں ہم معلوم ہی نہیں کہ کدھر جا رہے ہیں ہم

(احمد ندیم قاسمی)

وہ بار بار اِدھر اُدھر دیکھتا، کسی واقف کار کو ڈھونڈنے کی کوشش کرتا لیکن کوئی نظر نہیں آتا تھا۔ اس کی بے چینی بڑھتی جا رہی تھی۔ اس کا سینہ اس خبر سے بھرا ہوا تھا۔ وہ اس خبر کو اپنے اندر سے نکالنے کے لیے بے قرار تھا۔ اس کا جی چاہ رہا تھا کہ وہ کسی کو زبردستی بلائے اور کہے "سنو! میں تمھیں ایک بہت بڑی بات بتانے والا ہوں"، لیکن وہ کس کو بلائے؟ وہ کس سے بات کرے۔ اس کی حالت ایسی تھی جیسے کوئی پرندہ خوشی سے چہچہانا چاہتا ہو لیکن سننے والا کوئی نہ ہو۔

ے آ مجھے سن کہ ہو تجھے معلوم کیسی ہوتی ہیں خوب تر باتیں

(عاصم واسطی)

استاد منگو کی یہ کیفیت ظاہر کرتی ہے کہ آزادی کے خواب کتنے قیمتی ہوتے ہیں۔ بعض اوقات ایک عام آدمی بھی ایسی خوش کُن باتیں سُن کر پُر جوش ہو جاتا ہے اور اسے چین نہیں آتا۔ استاد منگو کا یہ حال ہمیں بتاتا ہے کہ وہ صرف ایک کوچوان نہیں تھا بلکہ ایک محبِ وطن انسان تھا۔ وہ ایک ایسا شخص تھا جسے اپنے ملک سے محبت تھی۔ وہ ایک ایسا شخص تھا جو ظلم کے خلاف تھا۔ وہ ایک ایسا شخص تھا جو آزادی کی امید پر زندہ تھا۔ آج کی خبر نے اس کی روح میں ایک نئی روشنی بھر دی تھی۔ وہ چاہتا تھا کہ یہ روشنی سب تک پہنچے۔ وہ سب کو آزادی کی خوش خبری دینا چاہتا تھا لیکن سننے والا کوئی نہیں تھا۔ اس لیے اس کی بے قراری بڑھتی جا رہی تھی۔

عبارت نمبر 8

آدھ گھنٹے تک وہ چابک بغل میں دبائے اسٹیشن کے اڈے کی آہنی چھت کے نیچے بے قراری کی حالت میں ٹہلتا رہا۔

اس کے دماغ میں بہت اچھے اچھے خیالات آ رہے تھے۔ نئے قانون کے نفاذ کی خبر نے اس کو ایک نئی دنیا میں لا کر کھڑا کر دیا تھا۔ وہ اس نئے قانون کے متعلق جو پہلی اپریل کو ہندوستان میں نافذ ہونے والا تھا، اپنے دماغ کی تمام بتیاں روشن کر کے غور و فکر کر رہا تھا۔ اس کے کانوں میں مارواڑی کا یہ اندیشہ "کیا بیاج کے متعلق بھی کوئی نیا قانون پاس ہوگا؟" بار بار گونج رہا تھا۔ اور اس کے تمام جسم میں مسرت کی ایک لہر دوڑا رہا تھا۔ خاص کر اس وقت اس کے دل کو بہت ٹھنڈک پہنچی جب وہ خیال کرتا کہ گوروں، سفید چوہوں (وہ اُن کو اسی نام سے یاد کیا کرتا تھا) کی تھوتھنیاں نئے قانون کے آتے ہی بلوں میں ہمیشہ کے لیے غائب ہو جائیں گی۔

سیاق و سباق

تشریح طلب عبارت سے پہلے مصنف بتاتے ہیں کہ استاد منگو ان پڑھ ہونے کے باوجود اپنے اڈے میں عقل مند سمجھا جاتا تھا۔ اس کے پاس دنیا بھر کی معلومات تھیں۔ منگو کے پاس ان معلومات کا واحد ذریعہ اس کی سواریاں تھیں۔ استاد منگو کو انگریزوں سے سخت نفرت تھی۔ وہ جب انگریزوں کو دیکھتا تو اس کا خون کھولنے لگتا۔ جب وہ نئے قانون کے نفاذ کی خبر سنتا تو اس کی خوشی کی کوئی انتہا نہیں رہتی تھی۔

تشریح طلب عبارت سے پہلے مصنف بتاتے ہیں کہ استاد منگو سُرخ پوشوں کی تحریک اور دیگر تحریکوں کو نئے قانون کا پیش خیمہ سمجھتا تھا۔ اگر کوئی سواری نئے قانون کے خلاف کوئی بات کرتی تو وہ اسے حقارت کی نگاہ سے دیکھتا تھا۔ بالآخر یکم اپریل آ جاتی ہے۔ وہ نیا قانون دیکھنے کے لیے گھر سے نکلتا ہے لیکن سب کچھ وہی پرانا تھا۔ اسی دن چھاؤنی میں منگو کی لڑائی ایک انگریز سے ہو جاتی ہے اور پولیس منگو کو پکڑ کر حوالات میں بند کر دیتی ہے لیکن وہ "نیا قانون، نیا قانون" چلّاتا رہتا ہے۔

تشریح

سعادت حسن منٹو اردو کے عظیم افسانہ نگار تھے۔ انھوں نے سماجی سچائیوں کو جرأت مندانہ انداز میں پیش کیا ہے۔ ان کا اندازِ تحریر سادہ مگر اثر انگیز ہے۔ ان کے افسانے "نیا قانون" میں استحصالی نظام پر گہری طنز ہے۔ اس کہانی میں استاد منگو کا کردار انگریز راج کے خلاف ایک عام ہندوستانی کے جذبات کی عکاسی کرتا ہے۔

مصنف کہتے ہیں کہ نئے قانون کی آمد کی خبر نے منگو کے دل و دماغ میں ایک طوفان برپا کر دیا تھا۔ وہ بے حد خوش اور انتہائی پُر جوش تھا۔ وہ یہ خبر جلد از جلد اپنے دوستوں کو سنانا چاہتا تھا۔ سواریوں کو ان کے ٹھکانے پر چھوڑ کر وہ سیدھا انار کلی گیا اور دینو حلوائی کی دکان سے لسی پی۔ وہ عام طور پر ایسا نہیں کرتا تھا لیکن آج کی خوشی اتنی زیادہ تھی کہ اس نے اپنی پسندیدہ چیز پی کر خوشی کو دوبالا کیا۔ اس کے بعد وہ سیدھا اڈے پر پہنچا تا کہ اپنے دوستوں کو خبر سنا سکے لیکن وہاں اس کی خبر سننے کے لیے کوئی موجود نہ تھا۔

تشریح طلب عبارت میں مصنف کہتے ہیں کہ منگو آدھے گھنٹے تک اسٹیشن کے اڈے کی چھت کے نیچے ٹہلتا رہا۔ اس نے چابک بغل میں دبا رکھا تھا۔ اس کی بے چینی بالکل واضح تھی۔ اس کے دماغ میں کئی خیالات آ رہے تھے۔ وہ سوچ رہا تھا کہ نیا قانون کیسا ہوگا؟ کیا واقعی اس قانون سے ہندوستانیوں کو فائدہ ہوگا؟ کیا اس سے انگریزوں کی حکومت ختم ہو جائے گی؟ اس کے دل میں خوشی اور جوش کا ملا جلا احساس تھا۔ اسے یہ معلوم نہیں تھا کہ نیا قانون آنے سے ملک میں کیا کیا تبدیلیاں آئیں گی۔ لیکن اس کے دل کو سب سے زیادہ خوشی اس بات کی تھی کہ اب گورے یہاں سے ہمیشہ کے لیے چلے جائیں گے۔

ے تُو خنجر ظلم کا ظالم چلا لے اور تھوڑے دن غریبوں، بے گناہوں کو ستا لے اور تھوڑے دن

منگو اپنے دماغ کی تمام بتیاں روشن کر کے نئے قانون پر غور و فکر کر رہا تھا۔ اس کے کانوں میں مارواڑی کی وہ بات بار بار گونج رہی تھی کہ کیا بیاج کے متعلق بھی کوئی نیا قانون پاس ہوگا؟ مارواڑی کو اپنے سودی کاروبار کی فکر تھی کہ کہیں کسی قانون سے اس کے کاروبار پر منفی اثر نہ پڑے۔ بیاج (سود) کے متعلق منگو کے دل میں بھی کئی خیالات آ رہے تھے۔ وہ جانتا تھا کہ بیاج کا مسئلہ

بھی ایک بڑا مسئلہ ہے۔ عام لوگ، خاص طور پر غریب طبقہ، سود کے بوجھ تلے دبا ہوا تھا۔ مارواڑی اور دوسرے ساہوکار غریبوں کو سود پر قرض دیتے تھے اور پھر ان کی زندگی بھر کی کمائی چھین لیتے تھے۔ مارواڑی لوگ ہندوستان میں اپنی کاروباری مہارت کی وجہ سے مشہور تھے۔ ان کے کاروبار کا بڑا حصہ سود پر قرض دینا تھا۔ اس لیے انھیں نئے قانون میں بیاج کے متعلق فکر تھی۔ سودی کاروبار سے دولت چند ہاتھوں میں سمٹ کر رہ جاتی ہے اور معیشت ترقی نہیں کر سکتی۔ اس کے علاوہ سودی کاروبار سے غریبوں کا استحصال ہوتا ہے۔ اس لیے اسلام نے سود کو حرام قرار دیا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا (سورۃ البقرہ:275)

ترجمہ: اللہ نے تجارت کو حلال کیا ہے اور سود کو حرام کیا ہے۔

استاد منگو سوچنے لگا کہ اگر نیا قانون سود کے خلاف کوئی حکم جاری کرے تو غریبوں کی زندگی آسان ہو جائے گی۔ اس خیال سے اس کی خوشی میں کچھ اور اضافہ ہو گیا۔ اسے لگا کہ نیا قانون آنے سے انگریزوں کی حکومت ختم ہو جائے گی اور اس کے ساتھ سود کا ظلم بھی ختم ہو جائے گا۔ اس تصور سے اسے غریبوں کی زندگی بھی خوش حال محسوس ہونے لگی۔

منگو کو انگریزوں سے سخت نفرت تھی۔ وہ حقارت سے انھیں ''سفید چوہے'' کہتا تھا۔ نئے قانون کے فوائد پر غور کرتے ہوئے اس کے جسم میں خوشی کی ایک لہر دوڑ گئی۔ وہ خود کو آزاد محسوس کر رہا تھا۔ آج پہلی بار اسے لگا کہ وہ انگریزوں سے بدلہ لے سکتا ہے۔ وہ خود کو آزاد اور طاقت ور محسوس کر رہا تھا۔ حالاں کہ حقیقت میں ابھی کچھ نہیں ہوا تھا۔ وہ یہ سوچ کر خوش ہو رہا تھا کہ جب نیا قانون آئے گا تو ''سفید چوہے'' (انگریز) یہاں سے بھاگ جائیں گے۔ وہ اپنی سفید تھوتھنیاں لے کر ہمیشہ کے لیے بلوں میں غائب ہو جائیں گے۔ یہ سوچ کر اس کے دل کو بہت ٹھنڈک پہنچی۔ یہ سب سوچ کر وہ خود کو بہت ہلکا محسوس کر رہا تھا۔ اس کے چہرے پر مسکراہٹ تھی اور آنکھوں میں امید کی چمک تھی۔ وہ چابک بغل میں دبائے مسلسل ٹہل رہا تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ جلد سے جلد کسی سے بات کرے۔ وہ کسی کو بتائے کہ اب ہندوستان میں نیا قانون آ رہا ہے۔ اب انگریزوں کی حکومت ختم ہونے والی ہے اور ہندوستانی اپنے فیصلے خود کریں گے۔ بدقسمتی سے ایسا نہیں ہو سکا۔ نکلسن نے کہا تھا:

''جلد یا بدیر ایک وقت آئے گا جب دُنیا یہ محسوس کرے گی کہ برطانیہ کا ذہنی اور علمی اقتدار ہندوستان سے کبھی زائل نہ ہوگا۔''

اسی طرح کے الفاظ گاندھی نے بھی کہے:

''یہاں پر انگریزوں کے بغیر بھی انگریزی راج رہے گا''

اور بقول فراق گورکھ پوری:

؎ منزلیں گرد کی مانند اُڑی جاتی ہیں وہی انداز جہانِ گزراں ہے کہ جو تھا

اس میں کوئی شک نہیں کہ آزادی بہت بڑی نعمت ہے۔ اس نعمت کی قدر و قیمت وہی سمجھ سکتے ہیں جنھوں نے غلامی کا عذاب جھیلا ہو۔ غلامی کی زندگی ہر قسم کے لطف و مسرت سے خالی ہوتی ہے۔ بقول اقبال:

؎ بندگی میں گھٹ کے رہ جاتی ہے اک جوئے کم آب اور آزادی میں بحرِ بیکراں ہے زندگی

(علامہ اقبالؒ)

منگو کے جذبات محض ایک فرد کے جذبات نہیں بلکہ پورے غلام طبقے کے جذبات ہیں۔ منگو کی حالت سے ظاہر ہوتا ہے کہ غلامی میں جینے والے لوگوں کے لیے آزادی کی امید کتنی بڑی چیز ہوتی ہے۔ ان کے دل اس امید سے کتنے مسرور ہو جاتے ہیں۔ آزادی کی امید سے ان کی رگوں میں خون تیزی سے دوڑتا ہے اور وہ ایک نئی آزاد دنیا کے خواب دیکھنے لگتے ہیں:

؎ دل سے نکلے گی نہ مر کر بھی وطن کی الفت میری مٹی سے بھی خوشبوئے وفا آئے گی

(لال چند فلک)

عبارت نمبر 9

جب نتھو گنجا پگڑی بغل میں دبائے اڈے میں داخل ہوا تو استاد منگو بڑھ کر اس سے ملا اور اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر بلند آواز سے کہنے لگا: لا ہاتھ ادھر۔۔۔ایسی خبر سناؤں کہ جی خوش ہو جائے۔ تیری اس گنجی کھوپڑی پر بال اُگ آئیں۔'' اور یہ کہہ کر منگو نے بڑے مزے لے لے کر نئے قانون کے متعلق اپنے دوست سے باتیں شروع کر دیں۔ دورانِ گفت گو میں اُس نے کئی مرتبہ نتھو گنجے کے ہاتھ پر زور سے اپنا ہاتھ مار کر کہا: ''تُو دیکھتا رہ کیا بنتا ہے، ''یہ روس والا بادشاہ'' کچھ نہ کچھ ضرور کر کے رہے گا۔''

استاد منگو موجودہ سوویت نظام کی اشترا کی سرگرمیوں کے متعلق بہت کچھ سن چکا تھا اور اسے وہاں کے نئے قانون اور دوسری نئی چیزیں بہت پسند تھیں، اسی لیے اس نے روس والے بادشاہ کو ''انڈیا ایکٹ'' یعنی جدید آئین کے ساتھ ملا دیا اور پہلی اپریل کو پرانے نظام میں تبدیلیاں پیدا ہونے والی تھیں، وہ انھیں ''روس والے بادشاہ'' کے اثر کا نتیجہ سمجھتا تھا۔

سیاق و سباق

تشریح طلب عبارت سے پہلے مصنف کہتے ہیں کہ منگو کوچوان ان پڑھ ہونے کے باوجود اڈے میں سب سے زیادہ عقل مند سمجھا جاتا تھا۔ اسے دنیا کے تمام معاملات کا علم تھا اور اس کی معلومات کا واحد ذریعہ اس کی سواریاں تھیں۔ اسے انگریزوں سے بہت نفرت تھی۔ اسی لیے جب وہ مارواڑیوں سے جدید آئین کی خبر سنتا ہے تو اس کے دل میں انگریزوں سے نجات کی امید پیدا ہو جاتی ہے۔

تشریح طلب عبارت کے بعد مصنف لکھتے ہیں کہ منگو نے سرخ پوشوں کی تحریک، روس والے بادشاہ اور نئے قانون کو آپس میں ملا دیا تھا اور اب وہ ہندوستان میں رونما ہونے والے تمام سانحات و واقعات کو جدید آئین کا پیش خیمہ سمجھ رہا تھا۔ یکم اپریل کو جب منگو گھر سے نیا قانون دیکھنے کے لیے نکلتا ہے تو سب کچھ پہلے جیسا ہوتا ہے۔ اس دن اس کی لڑائی ایک انگریز سے ہو جاتی ہے۔ وہ نیا قانون، نیا قانون چلاّتا رہتا ہے لیکن اسے حوالات میں بند کر دیا جاتا ہے۔

تشریح

سعادت حسن منٹو اردو کے عظیم افسانہ نگار تھے۔ انھوں نے سماجی سچائیوں کو جرأت مندانہ انداز میں پیش کیا ہے۔ ان کا اندازِ تحریر سادہ مگر اثر انگیز ہے۔ ان کے افسانے ''نیا قانون'' میں استحصالی نظام پر گہری طنز ہے۔ اس کہانی میں استاد منگو کا کردار انگریز راج کے خلاف ایک عام ہندوستانی کے جذبات کی عکاسی کرتا ہے۔

مصنف بتاتے ہیں کہ استاد منگو ایک سادہ مگر جذباتی کوچوان تھا جو ہمیشہ غلامی سے بیزار رہتا تھا۔ انگریزوں کے ظلم و ستم کی وجہ سے اس کے دل میں انگریزوں کے لیے شدید نفرت تھی۔ وہ انھیں ''سفید چوہے'' کہتا تھا کیوں کہ اسے لگتا تھا کہ وہ بھی چوہوں کی طرح دوسروں کے گھروں میں گھس کر ان پر قابض ہو جاتے ہیں۔ وہ اس دن کے انتظار میں تھا کہ جب انگریز یہاں سے چلے جائیں گے اور ہندوستانی آزادی کے مزے لوٹیں گے۔ بقول شاعر:

؎ وہ دن آنے کو ہے آزاد جب ہندوستاں ہوگا مبارک باد اس کو دے رہا سارا جہاں ہوگا

تشریح طلب عبارت میں مصنف کہتے ہیں کہ جب اسے نیا قانون نافذ ہونے کی خبر ملی تو اس کے دل میں ناقابلِ بیان خوشی بھر گئی۔ وہ دینو حلوائی کی دکان سے لسی پی کر اڈے پر پہنچا۔ وہ یہ خبر اپنے دوستوں کو سنانا چاہتا تھا مگر اڈے پر کوئی موجود نہیں تھا۔ وہ بغل میں چابک دبائے ٹہلتا رہا اور انتظار کرتا رہا کہ کوئی دوست آئے جسے وہ اتنی بڑی خوش خبری دے سکے۔ اس کا دل خوشی اور جوش سے بھرا ہوا تھا۔ اس نے دیکھا کہ نتھو گنجا بغل میں پگڑی دبائے اڈے میں داخل ہوا۔ منگو فوراً اس کی طرف لپکا۔ نتھو گنجا اس کا پرانا دوست تھا جو ہمیشہ اس کی باتوں کو دھیان سے سنتا اور اُن پر تبصرہ کرتا تھا۔ استاد منگو نے بڑی گرم جوشی سے اس کا ہاتھ پکڑا اور پُر جوش لہجے میں کہا کہ اس کے پاس ایک ایسی خبر ہے جسے سُن کر اس کی گنجی کھوپڑی پر بال اُگ آئیں گے۔ یعنی وہ اتنا حیران اور خوش ہوگا کہ اس کی شکل بدل جائے گی۔ یہ کہہ کر استاد منگو نے جوش و خروش سے نئے قانون اور اس کی اہمیت پر بات شروع کر دی۔ استاد منگو نے نئے قانون کو کوئی جادوئی چیز سمجھ لیا تھا جس کے نافذ ہوتے ہی سب کچھ بدل جائے گا۔ اس کا جوش اتنا بڑھ چکا تھا کہ وہ ہر کسی کو یہ خبر سنانے کے لیے بے قرار تھا۔ اس نے

نتھو گنجے سے بات شروع کی تو کئی بار جوش میں آ کر اس کے ہاتھ پر زور سے ہاتھ مارا اور کہا ''تو دیکھتا رہ، کیا بنتا ہے۔'' استاد منگو کا یہ انداز تھا کہ جب زیادہ خوش ہوتا یا زیادہ جوش میں آتا تو دوستوں کے ہاتھ پر زور سے ہاتھ مارتا۔ اس طریقے سے وہ اپنی بات کو زیادہ وزنی اور مضبوط بنانا چاہتا تھا۔ اس کا یہ مطلب بھی تھا کہ نتھو گنجا بھی اس کی خوشی میں شریک ہو جائے۔

بات چیت کے دوران میں استاد منگو نے کہا ''روس والا بادشاہ'' کچھ نہ کچھ ضرور کرے گا۔ اس زمانے میں روس میں ایک بہت بڑا انقلاب آ چکا تھا۔ اس انقلاب کو ''سوویت انقلاب'' یا ''اشتراکی انقلاب'' کہا جاتا تھا۔ 1917ء میں زارِ روس کی بادشاہت کو ختم کر کے ایک نیا نظام قائم کیا گیا تھا۔ اس نظام میں غریبوں اور مزدوروں کو زیادہ حقوق دیے گئے تھے۔ ''اشتراکی نظام'' کا مطلب تھا کہ سب کو برابر حقوق ملیں گے۔ کوئی امیر یا کوئی غریب نہیں ہوگا۔ سب کو مساوی حقوق اور یکساں سہولتیں حاصل ہوں گی۔ اس نظام کے تحت زمینیں اور فیکٹریاں کسی کی ذاتی ملکیت نہیں رہی تھیں۔ اس لیے دولت مند اور غریب کا فرق مٹ گیا تھا۔ استاد منگو نے کہیں نہ کہیں سے یہ سب باتیں سُن رکھی تھیں۔ وہ سمجھتا تھا کہ جو کچھ روس میں ہوا وہی کچھ ہندوستان میں بھی ہونے والا ہے اور یہ سب کچھ کروانے میں روس والے بادشاہ کا ہاتھ ہے۔

اشتراکی نظام کے تحت روس میں لوگوں کو زیادہ آزادی دی گئی تھی۔ مزدوروں کو ان کے حقوق دیے گئے تھے اور دولت کی مساوی تقسیم کی گئی تھی۔ استاد منگو کو یہ سب بہت اچھا لگتا تھا کیوں کہ وہ خود بھی ایک غریب آدمی تھا جو امیروں اور حکمرانوں کے ظلم سے تنگ تھا۔ اس نے روس کے انقلاب کے بارے میں سنا تو اسے لگا کہ شاید ہندوستان میں بھی یہی سب ہونے والا ہے۔ وہ سوچ رہا تھا کہ نیا قانون بھی کچھ ایسا ہی ہوگا۔ اس کے نتیجے میں انگریزوں کا ظلم ختم ہو جائے گا۔ وہ سمجھ رہا تھا کہ سب ''روس والے بادشاہ'' کی وجہ سے ہو رہا ہے۔ اس کے خیال میں دنیا میں جہاں بھی ظلم کے خلاف آواز اٹھ رہی تھی وہ سب اسی انقلاب کی بدولت تھی۔

استاد منگو کا یہ خیال تھا کہ ہندوستان میں جو نیا قانون آ رہا ہے وہ بھی ''روس والے بادشاہ'' کی وجہ سے ہے۔ دراصل یہ اس کی ناسمجھی اور سادگی کو ظاہر کرتا ہے۔ حقیقت میں نیا قانون (گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ) برطانیہ کی اپنی حکومت کی طرف سے بنایا گیا تھا۔ اس قانون کا روس کے انقلاب سے کوئی تعلق نہیں تھا۔ لیکن چوں کہ اُس زمانے میں عام لوگوں کو سیاسی معاملات کی زیادہ سمجھ بوجھ نہیں تھی اس لیے وہ مختلف چیزوں کو آپس میں جوڑ کر ایک نئی کہانی بنا لیتے تھے۔ استاد منگو نے بھی یہی کیا۔ اس نے روسی انقلاب اور ہندوستان میں نئے قانون کے نفاذ کو ایک ہی چیز سمجھ لیا تھا۔ اس سلسلہ میں عبادت بریلوی لکھتے ہیں:

''نیا قانون یوں دیکھنے میں ایک کوچوان اُستاد منگو کے خیالات اور چند حرکات و سکنات سے متعلق ایک کہانی ہے۔ لیکن اس کو پیش کرتے ہوئے منٹو نے اُس زمانے کی سیاسی حالت سے جس کشمکش کو پیدا کیا ہے اور اس کا نقشہ بھی کھینچا ہے۔ لیکن کوئی ایسی بات نہیں کی جس سے اس کشمکش کا کوئی حل بھی نکل سکے۔''

نتھو گنجا، استاد منگو کی باتیں غور سے سُن رہا تھا اور اس کی معلومات سے متاثر ہو رہا تھا۔ استاد منگو اپنے دوست کو قائل کرنے کی کوشش کر رہا تھا کہ یہ قانون بہت بڑی تبدیلی لے کر آئے گا۔ وہ بار بار پُر جوش انداز میں بولتا، نتھو گنجے کے ہاتھ پر زور سے ہاتھ مارتا اور کہتا'' یہ روس والا بادشاہ کچھ نہ کچھ ضرور کرے گا!''

وہ یہ کہنا چاہ رہا تھا کہ روس میں انقلاب آ سکتا ہے تو ہندوستان میں بھی ضرور کچھ بدلے گا۔

انہی غم کی گھٹاؤں سے خوشی کا چاند نکلے گا ۔۔۔ اندھیری رات کے پردے میں دن کی روشنی بھی ہوگی

(اختر شیرانی)

یہ ساری باتیں استاد منگو کی سوچ کی سادگی اور اس کے جذبات کی شدت کو ظاہر کرتی ہیں۔ وہ ایک عام آدمی تھا مگر اس کے دل میں آزادی کی خواہش تھی۔ وہ ہمیشہ غلامی کی زنجیروں کو توڑنے کا خواب دیکھتا تھا۔ اب اسے لگا کہ یہ خواب پورا ہونے والا ہے اس لیے اس کا جوش آسمان کو چھونے لگا تھا۔ وہ بے حد خوش اور پُر جوش تھا اور پوری طرح اس امید میں ڈوبا ہوا تھا کہ پہلی اپریل کے دن سے سب کچھ بدل جائے گا۔ اہم بات یہ ہے کہ یہ خیالات صرف منگو کے نہیں بلکہ ہندوستان کے غریب اور مظلوم طبقے کے بھی تھے۔

عبارت نمبر 10

کچھ عرصے سے پشاور اور دیگر شہروں میں سرخ پوشوں کی تحریک جاری تھی۔ منگو نے اس تحریک کو اپنے دماغ میں روس والے بادشاہ اور پھر نئے قانون کے ساتھ خلط ملط کر دیا تھا۔ اس کے علاوہ جب کبھی وہ کسی سے سنتا کہ فلاں شہر میں بم ساز پکڑے گئے ہیں یا فلاں جگہ اتنے آدمیوں پر بغاوت کے الزام میں مقدمہ چلایا گیا ہے تو ان تمام واقعات کو نئے قانون کا پیش خیمہ سمجھتا اور دل ہی دل میں خوش ہوتا۔ ایک روز اس کے تانگے میں دو بیرسٹر بیٹھے نئے آئین پر بڑے زور سے تبادلہ خیال کر رہے تھے۔ اور وہ خاموشی سے ان کی باتیں سن رہا تھا۔ ان میں سے ایک، دوسرے سے کہہ رہا تھا: ''جدید آئین کا دوسرا فیڈریشن ہے جو میری سمجھ میں ابھی تک نہیں آسکا۔ فیڈریشن دنیا کی تاریخ میں آج تک نہ سنی نہ دیکھی گئی۔ سیاسی نظریہ سے بھی یہ فیڈریشن بالکل غلط ہے۔ بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ یہ کوئی فیڈریشن ہے ہی نہیں''!

سیاق و سباق

تشریح طلب عبارت سے پہلے مصنف بتاتے ہیں کہ استاد منگو کبھی سکول نہ گیا تھا۔ مگر اپنی معلومات کے باعث وہ اپنے اڈے میں نہایت عقل مند آدمی سمجھا جاتا تھا۔ منگو نے اپنی ایک سواری سے اسپین کی جنگ کا تذکرہ سنا اور جوں کا توں گاما چودھری کو بتا دیا۔ جب یہ خبر سچ ثابت ہوئی تو باقی کوچوانوں کی نظر میں استاد منگو کی اہمیت بڑھ گئی۔ استاد منگو کو انگریزوں سے سخت نفرت تھی۔ وہ جب انھیں دیکھتا اسے متلی آجاتی۔ جب کبھی اس کی کسی انگریز سے جھڑپ ہوتی تو اس کی نفرت اور حقارت میں اضافہ ہو جاتا۔

تشریح طلب عبارت کے بعد مصنف بتاتے ہیں کہ استاد منگو نئے قانون سے بہت سی امیدیں وابستہ کر لیتا ہے۔ نئے قانون کے بارے میں سوچتے ہی اس کا ذہن روشن ہو جاتا ہے۔ بالآخر یکم اپریل آگئی۔ وہ نئے قانون کو دیکھنے کے لیے گھر سے نکلتا ہے لیکن شہر میں انگریزوں کی عمل داری ہوتی ہے۔ چھاؤنی میں استاد منگو کا ایک انگریز سے جھگڑا ہو جاتا ہے اور پولیس اسے لے جاتی ہے۔ وہ سارے راستے اور تھانے میں نیا قانون، نیا قانون چلاتا رہتا ہے۔ لیکن قانون تو وہی پرانا ہوتا ہے اور اسے حوالات میں بند کر دیا جاتا ہے۔

تشریح

سعادت حسن منٹو اردو کے عظیم افسانہ نگار تھے۔ انھوں نے سماجی سچائیوں کو جرأت مندانہ انداز میں پیش کیا ہے۔ ان کا انداز تحریر سادہ مگر اثر انگیز ہے۔ ان کے افسانے ''نیا قانون'' میں استحصالی نظام پر گہری طنز ہے۔ اس کہانی میں استاد منگو کا کردار انگریز راج کے خلاف ایک عام ہندوستانی کے جذبات کی عکاسی کرتا ہے۔

مصنف بتاتے ہیں کہ استاد منگو ایک عام کوچوان تھا لیکن اس کے دل میں انگریزوں کے خلاف شدید نفرت بھری ہوئی تھی۔ وہ انگریزوں کو ظالم سمجھتا تھا اور یہ چاہتا تھا کہ وہ جلد از جلد ہندوستان سے نکل جائیں۔ جب اس نے ہندوستان میں نئے قانون کے بارے میں سنا تو اس کے دل میں امید کی ایک کرن جاگ اٹھی۔

تشریح طلب عبارت میں مصنف کہتے ہیں کہ کچھ عرصے سے پشاور اور دوسرے شہروں میں جو سرخ پوشوں کی تحریک چل رہی تھی منگو اس کے بارے میں بھی سنتا رہتا تھا۔ لیکن وہ اس تحریک کو صحیح طرح سمجھ نہیں پایا تھا۔ اس نے اس تحریک کو روس کے بادشاہ اور نئے قانون کے ساتھ ملا دیا تھا۔ وہ یہ سمجھنے لگا تھا کہ یہ سب ایک ہی سلسلے کی کڑیاں ہیں اور ان سب کا مقصد یہی ہے کہ انگریزوں کو ملک سے نکال باہر کیا جائے۔

''سرخ پوشوں کی تحریک'' دراصل ایک سیاسی تحریک تھی جو برطانوی راج کے خلاف چل رہی تھی۔ یہ تحریک ہندوستان میں خدائی خدمت گار تحریک کے ساتھ جڑی ہوئی تھی، جس کے سربراہ خان عبدالغفار خان تھے۔ خان عبدالغفار خان کو ''باچا خان'' بھی کہا جاتا ہے۔ سرخ پوشوں کا مقصد یہ تھا کہ ہندوستان کو انگریزوں کے تسلط سے آزاد کرایا جائے۔ چوں کہ وہ سرخ رنگ کی قمیص اور ٹوپی پہنتے تھے اس لیے انھیں ''سرخ پوش'' کہا جاتا تھا۔ استاد منگو نے اس تحریک کو روس کے اشتراکی انقلاب سے جوڑ دیا تھا کیوں کہ وہاں بھی ایک بڑی تبدیلی آئی تھی۔ وہاں بھی عام لوگوں نے بادشاہ کو ہٹا کر اپنا نظام قائم کیا تھا۔

اسی طرح جب استاد منگو سنتا کہ کسی جگہ بم بنانے والے پکڑے گئے ہیں یا کسی پر بغاوت کے الزام میں مقدمہ چلایا جا رہا ہے تو وہ ان سب کو نئے قانون کے اشارے سمجھتا۔ بم ساز وہ لوگ تھے جو خفیہ طور پر انگریزوں کے خلاف جنگ لڑنے کی تیاری کر رہے تھے، وہ اپنے طور پر انگریزوں کو کمزور بنانے کے منصوبے بناتے اور کبھی کبھار حملے بھی کرتے تھے۔ انگریز سرکار ایسے لوگوں کو باغی سمجھتی اور انھیں سخت سزائیں دیتی تھی۔ لیکن استاد منگو کی نظر میں یہ لوگ اصل ہیرو تھے جو آزادی کے لیے قربانیاں دے رہے تھے۔

ایک دن دو بیرسٹر استاد منگو کے تانگے میں بیٹھے تھے۔ بیرسٹر وہ وکیل ہوتے ہیں جو برطانیہ سے قانون کی تعلیم حاصل کرتے ہیں اور قانونی معاملات پر گہری نظر رکھتے ہیں۔ وہ دونوں نئے آئین پر بحث کر رہے تھے۔ استاد منگو خاموشی سے ان کی باتیں سُن رہا تھا۔ وہ اس موضوع پر گہری نظر رکھتا تھا۔ ایک بیرسٹر دوسرے سے کہہ رہا تھا کہ نئے آئین کا دوسرا حصہ ''فیڈریشن'' ہے۔ فیڈریشن کا یہ تصور میری سمجھ میں نہیں آ رہا۔ ایسی فیڈریشن دنیا میں پہلے نہ دیکھی گئی اور نہ سنی گئی۔ سیاسی طور پر بھی یہ غلط ہے۔ بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ یہ فیڈریشن سرے سے فیڈریشن ہی نہیں۔ بقول علامہ اقبالؒ:

~ دل توڑ گئی ان کا دو صدیوں کی غلامی دارو کوئی سوچ ان کی پریشاں نظری کا

یہاں فیڈریشن کا مطلب ایسا نظامِ حکومت ہے جس میں مختلف علاقوں یا ریاستوں کو ایک مرکزی حکومت کے ماتحت رکھا جاتا ہے۔ ان ریاستوں کو کچھ حد تک خود مختاری بھی حاصل ہوتی ہے۔ برطانوی حکومت نے ہندوستان کے لیے جو نیا آئین بنایا تھا اس میں فیڈریشن کا تصور دیا گیا تھا۔ لیکن بیرسٹر کا کہنا تھا کہ یہ فیڈریشن حقیقی فیڈریشن نہیں ہے۔ کیوں کہ یہ مکمل آزادی دینے کی بجائے بس ایک نیا جال بچھایا جا رہا ہے۔ اس کا مقصد محض ہندوستانیوں کو خوش کرنا ہے۔ جب کہ اصل اختیار صرف انگریزوں کے ہاتھ میں رہنا تھا۔ بقول شاعر:

~ پردۂ اصلاح میں کوششِ تخریب کا خلقِ خدا پر عذاب، دیکھیے کب تک رہے
(مولانا حسرت موہانی)

استاد منگو نے دونوں کی باتیں بڑی توجہ سے سنیں۔ اس کے لیے یہ سب نئی باتیں تھیں۔ اس کا ذہن پہلے ہی بنا ہوا تھا کہ نیا قانون ہر حال میں آزادی لائے گا۔ اس نے بیرسٹر کی باتوں کا اصل مطلب نہیں سمجھا لیکن وہ اتنا ضرور جانتا تھا کہ کوئی بڑی تبدیلی آنے والی ہے۔ وہ اس خوش فہمی میں تھا کہ یہ نیا قانون آتے ہی انگریزوں کی حکومت ختم ہو جائے گی اور ہندوستانی مکمل طور پر آزاد ہو جائیں گے۔ منگو پڑھا لکھا نہیں تھا اس لیے وہ فیڈریشن کے مفہوم کو بھی نہیں سمجھتا تھا۔ اسے لگا کہ بیرسٹر نئے قانون کے خلاف باتیں کر رہے ہیں حالاں کہ وہ نئے قانون کی حقیقی خامیوں کا ذکر کر رہے تھے۔

یہ رویہ صرف استاد منگو کا نہیں تھا بلکہ اُس زمانے میں بہت سے عام لوگ اسی طرح جذباتی طور پر تحریکِ آزادی سے وابستہ تھے۔ وہ ہر اچھی خبر کو آزادی کی نوید سمجھتے تھے۔ اسی طرح ہر تنقیدی بات کو غلامی کی حمایت خیال کرتے تھے۔ منگو بھی اپنے طور پر یہ نتیجہ نکال چکا تھا کہ روس کا انقلاب، سرخ پوشوں کی تحریک، بم سازوں کی سرگرمیاں اور نیا قانون سب ایک ہی چیز ہیں۔ اور ان سب کا مقصد انگریزوں کی حکمرانی ختم کرنا ہے۔ حالاں کہ ایسا نہیں تھا۔ ان سب کا آپس میں کوئی تعلق نہیں تھا۔ استاد منگو اگر تعلیم یافتہ ہوتا تھا تو اسے عالمی واقعات کا صحیح علم ہوتا اور وہ جان لیتا کہ ان واقعات کا نئے آئین کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے۔ منگو چیزوں کو سمجھنے کی کوشش کرتا تھا لیکن نئے قانون کے بارے میں وہ کوئی متوازن رائے قائم نہیں کر سکا تھا۔

اس عبارت سے یہ حقیقت بھی واضح ہوتی ہے کہ اس وقت ہندوستان کے لوگوں کے دلوں میں آزادی کی کیسی تڑپ تھی۔ دنیا کے ہر انقلاب کے ساتھ انھیں اپنی آزادی کی منزل قریب تر دکھائی دینے لگتی تھی۔ منگو اور اس کے دوست نئے قانون کی حقیقت کو نہیں سمجھتے تھے لیکن انھیں یقین تھا کہ اس قانون کے نفاذ کے ساتھ ہی وہ انگریزوں کی غلامی سے آزاد ہو جائیں گے۔

عبارت نمبر 11

ایک روز اس کے تانگے میں دو بیرسٹر بیٹھے نئے آئین پر بڑے زور سے تبادلہ خیال کر رہے تھے۔ اور وہ خاموشی سے ان کی باتیں سن رہا تھا۔ ان میں سے ایک، دوسرے سے کہہ رہا تھا، ''جدید آئین کا دوسرا حصہ فیڈریشن ہے جو میری سمجھ میں ابھی تک

parho.pk

نہیں آسکا۔ فیڈ ریشن دنیا کی تاریخ میں آج تک نہ سنی نہ دیکھی گئی۔ سیاسی نظریہ سے بھی یہ فیڈ ریشن بالکل غلط ہے۔ بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ یہ کوئی فیڈ ریشن ہے ہی نہیں!'' ان بیرسٹروں کے درمیان جو گفت گو ہوئی اس میں بیشتر الفاظ انگریزی کے تھے۔ اس لیے استاد منگو صرف اوپر کے جملے ہی کو کسی قدر سمجھا اور اس نے کہا،'' یہ لوگ ہندوستان میں نئے قانون کی آمد کو برا سمجھتے ہیں اور نہیں چاہتے کہ ان کا وطن آزاد ہو۔'' چناں چہ اس خیال کے زیر اثر اس نے کئی مرتبہ ان دو بیرسٹروں کو حقارت کی نگاہوں سے دیکھ کر کہا،'' ٹو ڈی بچے!'' جب کبھی وہ کسی کو دبی زبان میں ''ٹوڈی بچہ'' کہتا تو دل میں یہ محسوس کر کے بڑا خوش ہوتا کہ اس نے اس نام کو صحیح جگہ استعمال کیا ہے اور یہ کہ وہ شریف آدمی اور ''ٹوڈی بچے'' کی تمیز کرنے کی اہلیت رکھتا ہے۔

سیاق و سباق

تشریح طلب عبارت سے پہلے مصنف کہتے ہیں کہ منگو کوچوان ان پڑھ ہونے کے باوجود بھی اڈے میں سب سے زیادہ عقل مند سمجھا جاتا تھا۔ اسے دنیا بھر کے حالات کا علم تھا اور اس کی معلومات کا واحد ذریعہ اس کی سواریاں تھیں۔ منگو کو انگریزوں سے سخت نفرت تھی اور وہ ان سے جان چھڑانا چاہتا تھا۔ لہٰذا جب وہ اپنی سواریوں سے نئے قانون کے حوالے سے سنتا ہے تو اس کے دل میں آزادی کی امید جاگ اٹھتی ہے اور وہ اس خیال سے بہت خوش ہو جاتا ہے کہ اب انگریزوں سے اس کی جان چھوٹ جائے گی۔ منگو'' جدید آئین''،'' روس والے بادشاہ'' اشتراکیت نیز دنیا میں رونما ہونے والے تمام انقلابات کو آپس میں ملا دیتا ہے۔

تشریح طلب عبارت کے بعد مصنف کہتے ہیں کہ منگو یکم اپریل کی صبح اپنے گھر سے نیا قانون دیکھنے کے لیے نکلتا ہے۔ لیکن قانون تو وہی پرانا ہوتا ہے اس لیے اسے کوئی تبدیلی نظر نہیں آتی۔ اسی دن منگو کی لڑائی ایک انگریز سے ہو جاتی ہے۔ وہ نیا قانون چلاّ تا رہتا ہے لیکن قانون تو وہی پرانا ہوتا ہے اور اُسے حوالات میں بند کر دیا جاتا ہے۔

تشریح

سعادت حسن منٹو اردو کے عظیم افسانہ نگار تھے۔ انھوں نے سماجی سچائیوں کو جرأت مندانہ انداز میں پیش کیا ہے۔ ان کا اندازِ تحریر سادہ مگر اثر انگیز ہے۔ ان کے افسانے'' نیا قانون'' میں استحصالی نظام پر گہری طنز ہے۔ اس کہانی میں استاد منگو کا کردار انگریز راج کے خلاف ایک عام ہندوستانی کے جذبات کی عکاسی کرتا ہے۔

مصنف کہتے ہیں کہ استاد منگو ایک عام کوچوان تھا۔ وہ دل سے چاہتا تھا کہ ہندوستان آزاد ہو جائے اور انگریزوں کا راج ختم ہو جائے۔ چھاؤنی کے انگریز افسر اسے تنگ کرتے تھے اس لیے اسے انگریزوں سے سخت نفرت تھی۔ ایک دن اس نے مارواڑی سواریوں سے سنا کہ ہندوستان میں نیا قانون نافذ ہونے والا ہے۔ وہ سمجھا کہ نئے قانون کے نفاذ سے انگریزوں کی حکومت ختم ہو جائے گی۔ وہ ہمیشہ سے چاہتا تھا کہ کوئی ایسا قانون آئے جو انگریزوں کو یہاں سے نکال باہر کرے۔ اس نے نئے قانون سے بہت سی امیدیں وابستہ کر لی تھیں۔

تشریح طلب عبارت میں مصنف کہتے ہیں کہ ایک دن استاد منگو کے تانگے میں دو بیرسٹر سوار ہوئے۔ وہ قانونی معاملات میں بہت مہارت رکھتے تھے۔ وہ دونوں نئے آئین پر گفت گو کر رہے تھے۔ منگو ان کی باتیں غور سے سُن رہا تھا۔ ان میں سے ایک بیرسٹر دوسرے سے کہہ رہا تھا کہ جدید آئین کا دوسرا حصہ فیڈ ریشن کے متعلق ہے جو میری سمجھ میں نہیں آ رہا۔ ایسی فیڈ ریشن دنیا کی تاریخ میں نہ سنی گئی، نہ دیکھی گئی۔ سیاسی نظریے کے اعتبار سے بھی یہ بالکل غلط ہے۔ بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ یہ کوئی فیڈ ریشن ہے ہی نہیں۔

فیڈ ریشن دراصل ایک ایسا نظام ہوتا ہے جس میں مختلف ریاستوں یا علاقوں کو ایک مرکزی حکومت کے تحت رکھا جاتا ہے۔ لیکن ان علاقوں یا ریاستوں کو کچھ داخلی خود مختاری حاصل ہوتی ہے۔ برطانوی حکومت نے ہندوستان کے لیے جو نیا آئین بنایا تھا اس میں بھی فیڈ ریشن کا تصور دیا گیا تھا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ ہندوستان کے مختلف حصے، جیسے صوبے اور ریاستیں ایک مرکزی حکومت کے ماتحت ہوں گے۔ اصل مسئلہ یہ تھا کہ یہ فیڈ ریشن حقیقت میں ایک دھوکا تھی کیوں کہ اصل اختیار پھر بھی مرکزی حکومت یعنی انگریزوں کے پاس ہی رہنے والا تھا۔ بقول شاعر:

؎ پردۂ اصلاح میں کوششِ تخریب کا خلقِ خدا پر عذاب، دیکھیے کب تک رہے
(مولانا حسرت موہانی)

بیرسٹر اس بات پر حیران تھا کہ یہ کیسی فیڈریشن ہے جس میں ہندوستانیوں کو مکمل آزادی نہیں دی جا رہی ہے۔ عام طور پر فیڈریشن کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ سب کو برابر حقوق ملیں اور سب کو اپنی حکومت چلانے کا اختیار ہو، لیکن یہاں ایسا کچھ نہیں تھا۔ اس نئے نظام میں اصل اختیار برطانوی حکمرانوں کے پاس تھا اور ہندوستانیوں کے پاس صرف نام کی آزادی تھی۔ اسی لیے بیرسٹر کہہ رہا تھا کہ یہ کوئی فیڈریشن ہے ہی نہیں۔ یہ صرف ایک دکھاوا تھا، اصل میں کوئی تبدیلی نہیں ہو رہی تھی۔ بقول شاعر:

؎ اک بازوئے قاتل ہے کہ خوں ریز بہت ہے اک گردنِ مخلوق جو ہر حال میں خم ہے
(فیض احمد فیض)

استاد منگو غیر تعلیم یافتہ تھا۔ اور ان بیرسٹروں کے درمیان جو گفت گو ہو رہی تھی اس میں زیادہ الفاظ انگریزی کے تھے۔ اس لیے استاد منگو ان کی باتوں کا صحیح مفہوم نہ سمجھ سکا۔ اس نے بیرسٹر کی باتوں کو غور سے سنا اور سمجھنے کی کوشش کی لیکن فیڈریشن کا پیچیدہ تصور اس کی سمجھ میں نہیں آیا۔ اس نے اندازہ لگایا کہ بیرسٹر نئے قانون کو بُرا کہہ رہے ہیں اور وہ نہیں چاہتے کہ ہندوستان آزاد ہو۔ اس نے اپنی طرف سے یہ نتیجہ نکالا کہ وہ دونوں ہندوستان کے دشمن اور انگریزوں کے حمایتی ہیں۔ اسی خیال کے تحت اس نے انھیں ''ٹوڈی بچے'' کہہ کر حقارت کا اظہار کیا۔

''ٹوڈی'' دراصل ایک ایسا لفظ تھا جو انگریزوں کے وفادار ہندوستانیوں کے لیے بولا جاتا تھا۔ ایسے لوگ جو انگریزوں کے سامنے جھکتے، ان کی خوشامد کرتے اور ان کے حق میں باتیں کرتے، انھیں حقارت سے ''ٹوڈی'' کہا جاتا تھا۔ استاد منگو کو جب بھی کوئی ایسا شخص نظر آتا جو انگریزوں کی طرف داری کرتا تو وہ اسے ''ٹوڈی بچہ'' کہہ کر اپنی بھڑاس نکالتا تھا۔ اس لفظ کو استعمال کر کے اسے بہت خوشی ہوتی تھی کیوں کہ وہ سمجھتا تھا کہ وہ اصل دشمن کو پہچاننے کی صلاحیت رکھتا تھا۔

منگو کو یہ اندازہ نہیں تھا کہ وہ بیرسٹر حقیقت میں سچ کہہ رہے تھے۔ وہ فیڈریشن کے کھوکھلے پن پر تنقید کر رہے تھے لیکن منگو نے غلط مطلب نکالا۔ وہ سمجھا کہ بیرسٹر نئے قانون کے خلاف ہیں اور وہ نہیں چاہتے کہ ہندوستان آزاد ہو۔ حقیقت اس کے بالکل برعکس تھی۔ وہ بیرسٹر محبِ وطن تھے اور یہی کہہ رہے تھے کہ وہ قانون آزادی دینے والا نہیں بلکہ انگریزوں کی ایک چالاکی تھی۔ اس چالاکی کے ذریعے وہ حکومت اور اصل اختیار اپنے ہاتھ میں رکھنا چاہتے تھے۔

؎ دیکھیے رہتی ہے کب تک ظلم کی رسی دراز دیکھیے سہتے ہیں کب تک اہلِ دل جور و ستم

اس اقتباس سے استاد منگو کی سیدھی سادی سوچ اور محدود علم کا اندازہ ہوتا ہے۔ منگو سیاست کی گہرائی کو نہیں سمجھتا تھا لیکن اس کے دل میں آزادی کی تڑپ تھی۔ وہ چاہتا تھا کہ انگریز جلد ہندوستان چھوڑ دیں۔ جو ہندوستانی ایسا نہ چاہے وہ منگو کی نظر میں ''ٹوڈی بچہ'' تھا۔ اس کی ساری امیدیں نئے قانون سے وابستہ تھیں۔ وہ اس نئے قانون میں لکھی گئی ہر چیز کو سچائی اور آزادی کی علامت سمجھ رہا تھا۔ یہ اس کی سادگی اور کم علمی تھی۔

اس اقتباس سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ عام لوگ اکثر سیاست کی پیچیدگیوں کو اچھی طرح نہیں سمجھ پاتے۔ وہ جذباتی طور پر چیزوں کو جوڑنے لگتے ہیں اور اپنی طرف سے نتیجے نکال لیتے ہیں۔ منگو بھی ایسا ہی کر رہا تھا۔ وہ صرف اتنا جانتا تھا کہ انگریز بُرے ہیں اور جو انگریزوں کے ساتھ ہے وہ بھی بُرا ہے۔ منگو کی کم علمی سے یہ تضاد سامنے آتا ہے کہ جو لوگ واقعی انگریزوں کے نظام پر تنقید کر رہے تھے۔ منگو انھیں ہی دشمن سمجھ رہا تھا۔ وہ لوگ انگریزوں کی دھوکا دہی کو بے نقاب کر رہے تھے لیکن منگو کی نظر میں وہ انگریزوں کے حامی تھے اس لیے بُرے تھے۔ اس کی نظر میں وہ ''ٹوڈی بچے'' تھے، حالاں کہ وہ محبِ وطن اور ہندوستان کے حقوق کے محافظ تھے۔

عبارت نمبر 12

اس واقعے کے تیسرے روز گورنمنٹ کالج کے تین طلبہ کو اپنے تانگے میں بٹھا کر مزنگ جا رہا تھا کہ اس نے ان تین لڑکوں کو آپس میں یہ باتیں کرتے سنا: ''نئے آئین نے میری امیدیں اور بڑھا دی ہیں اگر ۔۔۔ صاحب اسمبلی کے ممبر ہو گئے تو کسی

سرکاری دفتر میں ملازمت ضرور مل جائے گی۔'' ''ویسے بھی بہت سی جگہیں نکلیں گی۔ شاید اسی گڑبڑ میں ہمارے ہاتھ بھی کچھ آ جائے۔''
''ہاں ہاں کیوں نہیں۔''
''وہ بے کار گریجویٹ جو مارے مارے پھر رہے ہیں، ان میں کچھ تو کمی ہوگی۔''

سیاق و سباق

تشریح طلب عبارت سے پہلے مصنف بتاتے ہیں کہ منگو کبھی سکول نہ گیا تھا۔ مگر اپنی معلومات کے باعث وہ اپنے اڈے میں نہایت عقل مند آدمی سمجھا جاتا تھا۔ منگو کے پاس معلومات کا واحد ذریعہ اس کی سواریاں تھیں، جن کی باتیں وہ بڑے غور سے سنتا تھا۔ استاد منگو انگریزوں سے بے حد تنگ تھا۔ وہ ان سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لیے نئے قانون کا متمنی تھا۔ جب اس نے اپنی سواری سے نئے قانون کے نفاذ کی خبر سنی تو اس کی خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی۔

تشریح طلب عبارت کے بعد مصنف کہتے ہیں کہ بالآخر یکم اپریل آ جاتی ہے اور استاد منگو نیا قانون دیکھنے کے لیے گھر سے باہر نکل پڑتا ہے۔ لیکن وہی شہر ہوتا ہے۔ بازار میں حسبِ معمول کام کیے جا رہے ہوتے ہیں۔ وہ پھر بھی نا امید نہیں ہوتا۔ اُسی دن چھاؤنی میں ایک انگریز سے اس کی لڑائی ہو جاتی ہے اور پولیس منگو کو گرفتار کر کے لے جاتی ہے۔ وہ سارے راستے نیا قانون، نیا قانون چِلّاتا رہتا ہے، لیکن قانون تو وہی پُرانا تھا۔ اسے حوالات میں بند کر دیا جاتا ہے۔

تشریح

سعادت حسن منٹو اردو کے عظیم افسانہ نگار تھے۔ انھوں نے سماجی سچائیوں کو جرأت مندانہ انداز میں پیش کیا ہے۔ ان کا اندازِ تحریر سادہ مگر اثر انگیز ہے۔ ان کے افسانے ''نیا قانون'' میں استحصالی نظام پر گہری طنز ہے۔ اس کہانی میں استاد منگو کا کردار انگریز راج کے خلاف ایک عام ہندوستانی کے جذبات کی عکاسی کرتا ہے۔

مصنف بتاتے ہیں کہ استاد منگو اپنی سواریوں کی گفت گو بڑے غور سے سنتا اور اس سے نتائج نکالنے کا عادی تھا۔ ایک دن اس کے تانگے پر دو بیرسٹر بیٹھے۔ وہ نئے قانون کے بارے میں باتیں کر رہے تھے۔ ایک بیرسٹر نے فیڈریشن کے حوالے سے نئے قانون میں کسی خامی کا ذکر کیا۔ منگو کو اس کی بات صحیح طرح سمجھ نہ آئی اور وہ یہ سمجھا کہ وہ لوگ نئے قانون کے خلاف ہیں۔ وہ نئے قانون کے متعلق لوگوں کی باتیں بڑی توجہ سے سنتا تھا۔

تشریح طلب عبارت میں مصنف بتاتے ہیں کہ اس واقعے کے تین دن بعد وہ گورنمنٹ کالج کے تین طلبہ کو تانگے میں بٹھا کر مزنگ جا رہا تھا۔ گورنمنٹ کالج لاہور، اب گورنمنٹ کالج یونی ورسٹی کہلاتا ہے، یہ لاہور کا قدیم کالج اور برصغیر کے ممتاز تعلیمی اداروں میں شمار ہوتا ہے۔ تعلیم، ادب، سیاست اور سائنس کی کئی نامور شخصیات نے اس کالج سے تعلیم حاصل کی تھی۔ جن میں علامہ اقبالؒ، پطرس بخاری اور فیض احمد فیض شامل ہیں۔ تانگے میں سوار، گورنمنٹ کالج کے وہ طلبہ آپس میں نئے قانون کے بارے میں باتیں کر رہے تھے۔ منگو نے ان کی گفت گو غور سے سنی۔ نئے قانون کے بارے میں ان کا نظریہ استاد منگو سے بالکل مختلف تھا۔ وہ اس آئین کو کسی بڑے مقصد کے لیے نہیں بلکہ اپنے ذاتی فائدے کے لیے دیکھ رہے تھے۔ ان میں سے ایک طالب علم نے کہا کہ نئے آئین نے اس کی امیدیں اور بڑھا دی ہیں۔ اس نے کہا کہ اگر فلاں صاحب اسمبلی کے ممبر بن گئے تو ہمیں بھی سرکاری دفتر میں نوکری مل جائے گی۔ یہ سُن کر دوسرے طالب علم نے کہا ہاں ویسے بھی بہت سی نوکریاں نکلیں گی۔ شاید اسی گڑبڑ میں ہمارے ہاتھ بھی کچھ آ جائے۔ تیسرے طالب علم نے تائید کی اور کہا ہاں بھائی کیوں نہیں۔ جو بے کار گریجویٹ مارے مارے پھر رہے ہیں ان میں کچھ تو کمی ہوگی۔ بقول ن م راشد:

> میں مرے دوست مرے سیکڑوں اربابِ وطن پارۂ نانِ جویں کے لیے محتاج ہیں ہم
> یعنی افرنگ کے گلزاروں کے پھول

استاد منگو ان کی باتیں سُن کر حیران ہو رہا تھا۔ اس نے نئے آئین کو ایک انقلابی تبدیلی کے طور پر دیکھا تھا۔ ایک ایسی تبدیلی جو ہندوستان کو آزاد کرائے گی۔ لیکن یہ نوجوان طلبہ محض ذاتی مفاد کی فکر میں تھے۔ ان کے لیے نئے آئین کی اہمیت یہ تھی کہ اس سے انھیں نوکریاں مل سکیں گی۔ انھیں ملک کی آزادی کی پروا نہیں تھی۔ یہ منظر اس وقت کے ہندوستانی معاشرے کی دو مختلف سوچوں کو دکھاتا ہے۔ ایک طرف استاد منگو جیسے سادہ لوگ تھے جو آزادی کی امید رکھتے تھے اور سمجھتے تھے کہ اس قانون سے سب کی زندگیاں بدل جائیں گی۔ دوسری طرف یہ پڑھے لکھے نوجوان تھے جو صرف اپنے ذاتی فائدے کے بارے میں سوچ رہے تھے۔ وہ آزادی یا غلامی کے فلسفے میں نہیں پڑ رہے تھے۔ بلکہ صرف یہ دیکھ رہے تھے کہ اس گڑبڑ سے انھیں کیا فائدہ ہو سکتا تھا۔

یہاں یہ بات سمجھنے کی ضرورت ہے کہ جب کسی قدم میں ذاتی مفاد، قومی مفاد پر غالب آجائے تو وہ قوم ترقی نہیں کر سکتی۔

قرآن مجید میں بھی اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ

ترجمہ: **بے شک اللہ کسی قوم کی حالت نہیں بدلتا جب تک وہ خود اپنی حالت کو نہ بدلے۔**

اور بقول مولانا ظفر علی خان:

؎ خدا نے آج تک اُس قوم کی حالت نہیں بدلی
نہ ہو جس کو خیال آپ اپنی حالت کے بدلنے کا

یہ طلبہ اپنے اندر کوئی تبدیلی نہیں چاہتے تھے۔ وہ صرف موقع سے فائدہ اٹھانے کی سوچ میں تھے۔ ان کے لیے آزادی یا غلامی کے مفہوم کی کوئی اہمیت نہیں تھی۔ اس کے مقابلے میں استاد منگو کے جذبات بہت سچے اور خالص تھے۔ وہ ایک سادہ مگر مخلص انسان تھا۔ اس کا ہر خیال، ہر خواب اور ہر امید صرف ہندوستان کی آزادی اور انگریزوں کے ظلم سے نجات کے متعلق تھی۔

یہ بات معاشرتی منافقت پر غور کرنے کا موقع بھی دیتی ہے۔ بہت سے لوگ زبان سے کچھ اور کہتے ہیں اور دل میں کچھ اور رکھتے ہیں۔ وہ ہر کام میں اپنے مفاد کو ترجیح دیتے ہیں۔ اسلام نے اس رویے کو ناپسند کیا ہے۔ نبی کریم خَاتَمُ النَّبِيِّيْن صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلَّم نے فرمایا:

''بہترین انسان وہ ہے جو دوسرے انسانوں کے لیے سب سے زیادہ فائدہ مند ہو۔''

یہ طلبہ اپنے ذاتی فائدے کے بارے میں سوچ رہے تھے، قوم کے بارے میں نہیں۔ جب کہ استاد منگو اپنے فائدے کے بجائے پوری قوم کی فلاح کی امید رکھتا تھا۔

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ نیا آئین واقعی ہندوستانیوں کے لیے مفید تھا یا نہیں؟ حقیقت یہ تھی کہ یہ آئین آزادی کا صرف ایک دھوکا تھا۔ انگریز اصل اختیارات اپنے پاس ہی رکھ رہے تھے۔ ہندوستانیوں کو صرف چند مراعات دی جا رہی تھیں۔ مگر استاد منگو جیسے سادہ لوگ اس دھوکے کو سمجھ نہیں پا رہے تھے اور بے حد خوش ہو رہے تھے۔ یہ رویہ آج بھی ہمارے معاشرے میں پایا جاتا ہے۔ جب کوئی نیا قانون بنتا ہے یا کوئی تبدیلی آتی ہے تو لوگ اسے قومی بہتری کی بجائے اپنے ذاتی فائدے کے لحاظ سے دیکھنے لگتے ہیں۔ اس سے معاشرہ کمزور ہو جاتا ہے اور قوم میں اتحاد اور قربانی کا جذبہ ختم ہو جاتا ہے۔ بقول شاعر:

؎ وہ تیرگی ہے کہ اکثر خیال آتا ہے
میرے فلک پہ کوئی آفتاب ہے کہ نہیں

(معین احسن جذبی)

اس عبارت میں استاد منگو کی معصومیت اور نوجوانوں کی خودغرضی کا موازنہ کیا گیا ہے۔ ایک طرف استاد منگو ہے جو سچے دل سے آزادی کی امید رکھتا ہے اور دوسری طرف یہ نوجوان ہیں جو موقع کی تلاش میں ہیں کہ کوئی فائدہ اٹھا سکیں۔ قومی ترقی کے لیے اجتماعی بہتری کی سوچ کو پروان چڑھانا ضروری ہے۔

عبارت نمبر 13

اس گفت گو نے استاد منگو کے دل میں جدید آئین کی اہمیت اور بھی بڑھا دی۔ وہ اس کو ایسی ''چیز'' سمجھنے لگا جو بہت چمکتی ہو۔

parho.pk

'نیا قانون۔۔۔!' وہ دن میں کئی بار سوچتا، یعنی کوئی 'نئی چیز'! اور ہر بار اس کی نظروں کے سامنے اپنے گھوڑے کا وہ ساز آ جاتا جو اس نے دو برس ہوئے چودھری خدا بخش سے اچھی طرح ٹھونک بجا کر خریدا تھا۔ اس ساز پر جب وہ نیا تھا، جگہ جگہ لوہے کی نکل چڑھی ہوئی کیلیں چمکتی تھیں اور جہاں جہاں پیتل کا کام تھا وہ تو سونے کی طرح دمکتا تھا۔ اس لحاظ سے بھی 'نئے قانون' کا درخشاں و تاباں ہونا ضروری تھا۔

سیاق و سباق

تشریح طلب عبارت سے پہلے مصنف بتاتے ہیں کہ منگو کوچوان ان پڑھ ہونے کے باوجود اپنے اڈے میں سب سے زیادہ عقل مند سمجھا جاتا تھا۔ منگو کو دنیا کے تمام معاملات کا علم اپنی سواریوں سے ہوتا تھا۔ اسے انگریزوں سے سخت نفرت تھی۔ لہٰذا جب وہ اپنی سواریوں سے نئے قانون کے نفاذ کی خبر سنتا ہے تو اس کی خوشی کی کوئی انتہا نہیں رہتی۔

تشریح طلب عبارت کے بعد مصنف بتاتے ہیں کہ منگو نیا قانون دیکھنے کے لیے گھر سے باہر نکلتا ہے لیکن سب کچھ پہلے جیسا ہوتا ہے۔ اس دن چھاؤنی میں ایک انگریز سے منگو کی لڑائی ہو جاتی ہے۔ وہ نیا قانون، نیا قانون چلاتا رہتا ہے لیکن قانون تو وہی پرانا ہوتا ہے۔ لہٰذا اُسے حوالات میں بند کر دیا جاتا ہے۔

تشریح

سعادت حسن منٹو اردو کے عظیم افسانہ نگار تھے۔ انھوں نے سماجی سچائیوں کو جرأت مندانہ انداز میں پیش کیا ہے۔ ان کا اندازِ تحریر سادہ مگر اثر انگیز ہے۔ ان کے افسانے ''نیا قانون'' میں استحصالی نظام پر گہری طنز ہے۔ اس کہانی میں استاد منگو کا کردار انگریز راج کے خلاف ایک عام ہندوستانی کے جذبات کی عکاسی کرتا ہے۔

استاد منگو ایک ''سادہ اور جذباتی کوچوان'' تھا، جو ہر بات کو اپنے انداز میں سمجھتا اور محسوس کرتا تھا۔ جب اس نے نئے قانون کے بارے میں سنا، تو وہ بہت خوش ہوا۔ اس کے دل میں اس قانون کی ایک چمک دار اور شان دار تصویر بن گئی۔ وہ یہ نہیں جانتا تھا کہ یہ قانون حقیقت میں کیا تبدیلی لائے گا۔ چوں کہ یہ ''نیا'' تھا اس لیے وہ سمجھنے لگا کہ یہ بہت اچھا ہوگا۔

منگو جب بھی نئے قانون کے بارے میں سوچتا تو اسے اپنے گھوڑے کا نیا ساز یاد آ جاتا۔ ساز دراصل وہ مخصوص کمر بند اور دیگر چمڑے کے پٹے ہوتے ہیں جو گھوڑے پر باندھے جاتے ہیں تاکہ تانگہ اس سے جڑ سکے۔ جب منگو نے یہ ساز دو سال پہلے چودھری خدا بخش سے خریدا تھا، تو وہ بالکل نیا اور چمک دار تھا۔ اس پر لوہے کی نکل چڑھی ہوئی کیلیں چمک رہی تھیں اور جہاں جہاں پیتل کا کام ہوا تھا وہ سونے کی طرح دمک رہا تھا۔ جب وہ اپنے تانگے کے ساتھ گلیوں میں نکلتا تو وہ ساز بہت خوب صورت لگتا تھا اور لوگ بھی اس کی چمک کو دیکھ کر متاثر ہوتے تھے۔ جب منگو نئے قانون کے بارے میں سنتا تو اسے لگتا کہ یہ بھی اسی طرح نیا چمک دار اور بہترین ہوگا جیسے اس کے گھوڑے کا ساز ہے جو بالکل نیا اور دل کش ہے۔ وہ سمجھ رہا تھا کہ جیسے نیا ساز گھوڑے کو خوب صورت بنا دیتا ہے، اسی طرح نیا قانون بھی ہندوستان کو شان دار بنا دے گا۔

ـ وہ دن آنے کو ہے آزاد جب ہندوستاں ہوگا مبارک باد اس کو دے رہا سارا جہاں ہوگا

یہ سوچ استاد منگو کی معصومیت کو ظاہر کرتی ہے۔ وہ عام آدمی تھا۔ سیاست کی پیچیدگیوں کو نہیں جانتا تھا، لیکن جو کچھ سنتا تھا، اسے اپنے جذبات کے ساتھ جوڑ کر دیکھتا تھا۔ نئے قانون کو وہ آزادی کی علامت سمجھتا تھا۔ اس کے نزدیک یہ کوئی ایسی چیز تھی جو برطانوی حکومت کے ظلم سے نجات دلا سکتی تھی، جو انگریزوں کی زیادتیوں کا خاتمہ کر سکتی تھی، جو ہندوستان کے لیے روشنی اور خوش حالی لے کر آ سکتی تھی۔

لیکن سوال یہ ہے کہ کیا نیا قانون واقعی ایسا تھا؟ درحقیقت نیا آئین ایک سیاسی چال تھا۔ اس میں کچھ تبدیلیاں ضرور تھیں لیکن برطانوی حکومت نے اصل اختیارات اپنے پاس ہی رکھے تھے۔ ہندوستانیوں کو محض نام کی آزادی دی جا رہی تھی مکمل آزادی نہیں۔ استاد منگو اس حقیقت سے بے خبر تھا۔ وہ ایک سادہ کوچوان تھا۔ جو سیاست کی پیچیدگیوں کو نہیں جانتا تھا۔ لیکن وہ دل سے

آزادی چاہتا تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ انگریزوں کا ظلم ختم ہو۔ وہ چاہتا تھا کہ اس کے ملک کے لوگ اپنے فیصلے خود کریں۔ وہ چاہتا تھا کہ ہندوستانی عزت اور وقار کے ساتھ جئیں۔

؎ انھی غم کی گھٹاؤں سے خوشی کا چاند نکلے گا — اندھیری رات کے پردے میں دن کی روشنی بھی ہوگی
(اختر شیرانی)

یہاں ایک اور اہم سبق یہ بھی ہے کہ انسان کو ہمیشہ اصل حقیقت کو دیکھنا چاہیے، نہ کہ صرف ظاہری چمک کو۔ جیسے ایک چمکتا ہوا پتھر قیمتی نہیں ہوتا لیکن ایک عام سا نظر آنے والا ہیرا اصل میں بہت قیمتی ہوسکتا ہے۔ اسی طرح ہر نیا قانون یا تبدیلی بھی بظاہر اچھی لگ سکتی ہے، لیکن ضروری نہیں کہ وہ حقیقت میں بھی فائدہ مند ہو۔

استاد منگو کی معصومیت ایک عام آدمی کی سوچ کی عکاسی کرتی ہے۔ ہر دور میں عام لوگ حکومتوں کے وعدوں اور قوانین کی چمک دمک میں آجاتے ہیں، لیکن ان کے اصل مقاصد کو نہیں سمجھ پاتے۔ یہی وجہ ہے کہ باشعور اور سمجھ دار لوگوں کو چاہیے وہ حقیقت کو دیکھیں اور دوسروں کو بھی آگاہ کریں۔ استاد منگو کے جذبات سچے تھے، لیکن اس کی معلومات ناقص تھیں۔ وہ نئے قانون کی حقیقت کو نہیں سمجھ رہا تھا۔ لیکن وہ بس یہ دیکھ رہا تھا کہ یہ نیا ہے اور نیا ہونے کی وجہ سے اچھا ہوگا۔

یہی سبق ہمیں زندگی میں سیکھنا چاہیے کہ ہر چمکنے والی چیز سونا نہیں ہوتی۔ ہر تبدیلی اچھی نہیں ہوتی، ہر نیا قانون فائدہ مند نہیں ہوتا۔ جب تک ہم گہرائی سے چیزوں کو نہ سمجھیں، تب تک ہم ہمیشہ دھوکے میں رہیں گے۔ جیسے استاد منگو نئے قانون کی چمک میں آگیا تھا۔

عبارت نمبر 14

پہلی بار اپریل تک استاد منگو نے جدید آئین کے خلاف اور اس کے حق میں بہت کچھ سنا مگر اس کے متعلق جو تصور وہ اپنے ذہن میں قائم کر چکا تھا، بدل نہ سکا۔ وہ سمجھتا تھا کہ پہلی اپریل کو نئے قانون کے آتے ہی سب معاملہ صاف ہو جائے گا اور اس کو یقین تھا کہ اس کی آمد پر جو چیزیں نظر آئیں گی ان سے اس کی آنکھوں کو ضرور ٹھنڈک پہنچے گی۔

آخرِ کار مارچ کے اکتیس دن ختم ہو گئے اور اپریل کے شروع ہونے میں رات کے چند خاموش گھنٹے باقی رہ گئے۔ موسم خلاف معمول سرد تھا اور ہوا میں تازگی تھی۔ پہلی اپریل کو صبح سویرے استاد منگو اٹھا اور اصطبل میں جا کر گھوڑے کو جوتا اور باہر نکل گیا۔ اس کی طبیعت آج غیر معمولی طور پر مسرور تھی۔ وہ نئے قانون کو دیکھنے والا تھا۔

سیاق و سباق

تشریح طلب عبارت سے پہلے مصنف بتاتے ہیں کہ منگو کوچوان ان پڑھ ہونے کے باوجود اپنے اڈے میں سب سے زیادہ عقل مند سمجھا جاتا تھا۔ منگو کو دنیا کے تمام معاملات کا علم اپنی سواریوں سے ہوتا تھا۔ اسے انگریزوں سے سخت نفرت تھی۔ لہٰذا جب وہ اپنی سواریوں سے نئے قانون کے نفاذ کی خبر سنتا ہے تو اس کی خوشی کی کوئی انتہا نہیں رہتی۔

تشریح طلب عبارت کے بعد مصنف بتاتے ہیں کہ منگو نیا قانون دیکھنے کے لیے گھر سے باہر نکلتا ہے لیکن سب کچھ پہلے جیسا ہوتا ہے۔ اس دن چھاؤنی میں ایک انگریز سے منگو کی لڑائی ہو جاتی ہے۔ وہ نیا قانون، نیا قانون چلاتا رہتا ہے لیکن قانون تو وہی پرانا ہوتا ہے۔ لہٰذا اُسے حوالات میں بند کر دیا جاتا ہے۔

تشریح

سعادت حسن منٹو اردو کے عظیم افسانہ نگار تھے۔ انھوں نے سماجی سچائیوں کو جرأت مندانہ انداز میں پیش کیا ہے۔ ان کا اندازِ تحریر سادہ مگر اثر انگیز ہے۔ ان کے افسانے "نیا قانون" میں استحصالی نظام پر گہری طنز ہے۔ اس کہانی میں استاد منگو کا کردار انگریز راج کے خلاف ایک عام ہندوستانی کے جذبات کی عکاسی کرتا ہے۔

تشریح طلب عبارت میں مصنف کہتے ہیں کہ استاد منگو کئی دنوں سے نئے قانون کے بارے میں مختلف باتیں سُن رہا

تھا۔ کچھ لوگ اسے بُرا کہتے تھے، کچھ اچھا، لیکن اس کے ذہن میں جو تصور بیٹھ گیا تھا وہ اپنی جگہ قائم تھا۔ وہ سمجھتا تھا کہ پہلی اپریل کو جیسے ہی نیا قانون نافذ ہوگا ہندوستان میں سب کچھ بدل جائے گا۔ اس کا خیال تھا کہ یہ قانون کسی بڑی تبدیلی کی علامت ہوگا، جس کے آتے ہی تمام مسائل ختم ہو جائیں گے۔

آخر کار مارچ کے دن ختم ہو گئے، اب پہلی اپریل کی رات شروع ہو چکی تھی۔ رات کے خاموش اور پُر سکون لمحے گزر رہے تھے۔ موسم بھی خلافِ معمول کچھ ٹھنڈا اور خوش گوار تھا۔ شاید یہی تبدیلی منگو کے دل میں امید کی ایک اور روشنی پیدا کر رہی تھی۔ اس نے سوچا کہ اب بس چند گھنٹوں بعد وہ وہی دن دیکھے گا جس کا وہ کتنے عرصے سے انتظار کر رہا تھا۔ صبح سویرے جیسے ہی اس کی آنکھ کھلی منگو نے بغیر دیر کیے اصطبل کا رخ کیا۔ اپنے گھوڑے کو تیار کیا اور تانگے کو باہر نکالا۔ آج کا دن اس کے لیے عام دنوں سے مختلف تھا۔ اس کا دل خوش تھا، اس کی طبیعت ہلکی پھلکی محسوس ہو رہی تھی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ سمجھ رہا تھا کہ آج کے دن اسے وہ تبدیلی نظر آئے گی جسے دیکھنے کے لیے وہ بے چین تھا۔ بقول شاعر:

؎ آسمان ہو گا سحر کے نور سے آئینہ پوش اور ظلمت رات کی سیماب پا ہو جائے گی

(علامہ اقبالؒ)

دل چسپ بات یہ تھی کہ منگو کے ذہن میں نئے قانون کا کوئی حقیقی تصور نہیں تھا۔ اس نے یہ کبھی نہیں سوچا تھا کہ قانون دراصل حکومت کے طریقہ کار میں تبدیلی کا نام ہوتا ہے۔ یہ کوئی ظاہری چیز نہیں ہوتا کہ اسے کوئی دیکھ سکے۔ لیکن اس کی معصومیت اسے یہی یقین دلاتی رہی کہ جیسے ہی نیا قانون آئے گا وہ کوئی خاص اور نمایاں چیز ہوگی جو اسے نظر آئے گی اور جس سے اس کی آنکھوں کو ٹھنڈک پہنچے گی۔ وہ اس حقیقت سے واقف نہیں تھا کہ قانون دراصل ایک ضابطہ ہوتا ہے جس کا اثر فوری طور پر نظر نہیں آتا بلکہ وقت کے ساتھ آہستہ آہستہ تبدیلیاں لاتا ہے۔

منگو کی خوشی اور امیدوں کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ اس نے ہمیشہ قانون کو طاقت اور اختیار کی علامت سمجھا تھا۔ اس کے لیے نیا قانون ایک ایسا آلہ تھا جو انگریزوں کے ظلم و ستم کو کم کر دے گا اور ہندوستانیوں کی حالت بدل دے گا۔ اُسے یہ بھی خیال تھا کہ پہلی اپریل کو سورج ایک نئی دنیا لے کر طلوع ہوگا جس میں ہر چیز مختلف ہوگی۔ یہ سب کچھ دراصل منگو کے اپنے خیالات اور امیدوں کا نتیجہ تھا۔ وہ حقیقی سیاسی صورت حال کو نہیں سمجھتا تھا نہ ہی اسے یہ معلوم تھا کہ ایک قانون کے نافذ ہونے سے فوری طور پر کچھ نہیں بدلتا۔ چوں کہ وہ ایک عام آدمی تھا اس لیے اس نے اپنے طور پر جو کچھ سمجھا اسی پر یقین کر لیا۔ وہ اپنے انداز میں ایک بڑی تبدیلی کی توقع کر رہا تھا۔ اس لیے وہ نہایت مطمئن اور مسرور ہو کر نئے قانون کو دیکھنے کے لیے باہر نکل پڑا۔

؎ جس دن سے چلا ہوں مری منزل پہ نظر ہے آنکھوں نے کبھی میل کا پتھر نہیں دیکھا (بشیر بدر)

منگو نیا قانون دیکھنے کے لیے بے چین تھا۔ مارچ کی آخری رات اس نے بڑی کشمکش میں گزاری۔ پہلی اپریل کی صبح وہ جلدی اٹھا۔ اس نے سوچا کہ آج کا دن خاص ہے۔ وہ مدت سے اُس خاص دن کا انتظار کر رہا تھا۔ اس نے جلدی سے اپنے گھوڑے کو تیار کیا۔ اس کی عجیب کیفیت تھی جیسے اسے کوئی بڑی خوشی ملنے والی ہو۔ اس نے گھوڑے کو جوتا اور خود تانگے پر سوار ہو کر باہر نکل آیا۔ وہ خلافِ معمول وقت سے پہلے گھر سے نکل آیا تھا۔ اس نے رات بڑی مشکل سے کاٹی تھی۔ اسے آج صبح کا شدت سے انتظار تھا۔ اسی لیے وہ صبح سویرے تانگا لے کر سڑکوں پر نکل آیا۔ وہ نئے قانون کا اثر دیکھنے کے لیے بے تاب تھا۔ اسے یقین تھا آج شہر میں سب کچھ بدلا بدلا نظر آئے گا۔

؎ ہمیں یقیں ہے کہ ہم ہیں چراغِ آخرِ شب ہمارے بعد اندھیرا نہیں اُجالا ہے

(ظہیر کاشمیری)

استاد منگو ایک سادہ اور معصوم آدمی تھا۔ اس کی سادگی اس کے خیالات اور امیدوں سے واضح تھی۔ وہ نئے قانون کو کسی جادوئی تبدیلی کا سبب سمجھ رہا تھا۔ وہ یقین رکھتا تھا کہ اس قانون کے نافذ ہوتے ہی سب کچھ بدل جائے گا۔ اس کی سوچ میں گہرائی کم تھی اور جذبات زیادہ تھے۔ وہ یہ نہیں سمجھ پایا تھا کہ قوانین محض کاغذی فیصلے ہوتے ہیں۔ جب تک ان پر عمل نہ ہو، ان کا اثر نظر نہیں آتا۔

منگو کی معصومیت کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ وہ یہ سمجھ رہا تھا کہ یکم اپریل کی صبح ایک نئی دنیا اس کا استقبال کرے گی۔ یہ اس کی سادگی اور بھولی بھالی فطرت ہی تھی جس کی وجہ سے وہ بڑی آسانی سے خوش فہمیوں میں مبتلا ہو گیا تھا۔

عبارت نمبر 15

اس نے صبح کے سرد دھند لکے میں کئی تنگ اور کھلے بازاروں کا چکر لگایا مگر اسے ہر چیز پرانی نظر آئی۔ آسمان کی طرح پرانی۔ اس کی نگاہیں آج خاص طور پر نیا رنگ دیکھنا چاہتی تھیں مگر سوائے اس کلغی کے جو رنگ برنگ کے پروں سے بنی تھی اور اس کے گھوڑے کے سر پر جمی ہوئی تھی اور سب چیزیں پرانی نظر آتی تھیں۔ یہ نئی کلغی اس نے نئے قانون کی خوشی میں اکیس مارچ کو چودھری خدا بخش سے ساڑھے چودہ آنے میں خریدی تھی۔

گھوڑے کی ٹاپوں کی آواز کالی سڑک اور اس کے آس پاس تھوڑا تھوڑا فاصلہ چھوڑ کر لگائے ہوئے بجلی کے کھمبے، دکان کے بورڈ، اس کے گھوڑے کے گلے میں پڑے ہوئے گھنگرو کی جھنجھناہٹ، بازار میں چلتے پھرتے آدمی۔۔۔ ان میں سے کون سی چیز نئی تھی؟ ظاہر ہے کہ کوئی بھی نہیں۔ لیکن استاد منگو مایوس نہیں تھا۔

سیاق و سباق

تشریح طلب عبارت سے پہلے مصنف کہتے ہیں کہ منگو کوچوان ان پڑھ ہونے کے باوجود اپنے اڈے میں سب سے زیادہ سمجھ دار سمجھا جاتا تھا کیوں کہ اسے دنیا کے تمام بدلتے حالات کا علم تھا۔ ان معلومات کا ذریعہ اس کی سواریاں تھیں۔ منگو کو انگریزوں سے سخت نفرت تھی اس لیے وہ ان سے جان چھڑانا چاہتا تھا۔ جب وہ اپنی سواریوں سے نئے قانون کے بارے میں سنتا ہے تو اس کی خوشی کی کوئی انتہا نہیں رہتی۔ کیوں کہ وہ اسے انگریزوں کی حکومت کے ختم ہونے اور آزادی کا ذریعہ سمجھتا تھا۔ وہ یکم اپریل کی صبح نیا قانون دیکھنے کے لیے گھر سے نکل پڑتا ہے۔

تشریح طلب عبارت کے آخر میں مصنف کہتے ہیں کہ یکم اپریل کو اس کی لڑائی چھاؤنی میں ایک انگریز سے ہو جاتی ہے۔ منگو انگریز کو بُری طرح مارتا ہے۔ پولیس اُسے گرفتار کر کے تھانے لے جاتی ہے۔ منگو نیا قانون نیا قانون چلّاتا رہتا ہے۔ لیکن قانون تو وہی پرانا ہوتا ہے۔ لہٰذا اسے حوالات میں بند کر دیا جاتا ہے۔

تشریح

سعادت حسن منٹو اردو کے عظیم افسانہ نگار تھے۔ انھوں نے سماجی سچائیوں کو جرأت مندانہ انداز میں پیش کیا ہے۔ ان کا اندازِ تحریر سادہ مگر اثر انگیز ہے۔ ان کے افسانے ''نیا قانون'' میں استحصالی نظام پر گہری طنز ہے۔ اس کہانی میں استاد منگو کا کردار انگریز راج کے خلاف ایک عام ہندوستانی کے جذبات کی عکاسی کرتا ہے۔

تشریح طلب عبارت میں مصنف کہتے ہیں کہ آخر وہ لمحہ آ پہنچا جس کا منگو کو شدت سے انتظار تھا۔ 31۔ مارچ کی رات ختم ہوئی اور اپریل کی پہلی تاریخ شروع ہونے میں بس چند گھنٹے باقی تھے۔ سردی غیر معمولی تھی۔ ہوا میں ایک تازگی محسوس ہو رہی تھی۔ منگو کا دل خوشی سے لبریز تھا، جیسے کسی تہوار کا انتظار ہو۔ وہ بہت جلد بیدار ہوا جیسے کوئی بچہ عید کے دن خوشی سے سویرے اٹھتا ہے۔ وہ فوراً اصطبل میں گیا، اپنے گھوڑے کو تیار کیا، اسے جوتا اور خود تانگا لے کر شہر کی طرف چل پڑا۔ آج اس کے اندر عجیب سا جوش تھا۔ وہ سمجھ رہا تھا کہ آج کے دن کچھ خاص ہوگا، کچھ نیا ہوگا، جو اس کی آنکھوں کو ٹھنڈک دے گا۔

جیسے ہی وہ شہر کی سڑکوں پر نکلا اس نے اِدھر اُدھر نظریں دوڑائیں۔ وہ ہر چیز کو غور سے دیکھنے لگا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اسے کوئی بڑی تبدیلی نظر آئے گی مگر جوں جوں وہ مختلف بازاروں اور گلیوں سے گزرتا گیا، اس کی نظروں کے سامنے وہی پرانی چیزیں آتی گئیں۔ دکانیں وہی تھیں، سڑکیں ویسی ہی تھیں، لوگ بھی وہی تھے جو پہلے ہوتے تھے، بجلی کے کھمبے بھی اپنی جگہ پر کھڑے تھے، اور دکانوں کے بورڈ بھی بدلے ہوئے نہیں لگ رہے تھے۔ حتیٰ کہ اس کے گھوڑے کے گلے میں بندھے ہوئے گھنگرو بھی اسی طرح بج

رہے تھے جیسے کل بج رہے تھے۔ سب کچھ پرانا تھا سوائے اس کے گھوڑے کی کلغی کے۔ کلغی دراصل گھوڑے کے ماتھے پر لگانے والی ایک چیز ہوتی ہے جو گھوڑے کی آرائش اور خوب صورتی کے لیے استعمال ہوتی ہے۔ کلغی عام طور پر رنگ برنگے پروں سے بنی ہوتی ہے۔ کوچوان اسے اپنے گھوڑے کی خوب صورتی بڑھانے کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ منگو نے یہ کلغی 31 مارچ کو نئے قانون کی خوشی میں خریدی تھی۔ یہ کلغی اس نے اپنے دوست چودھری خدا بخش سے ساڑھے چودہ آنے میں خریدی تھی۔

شہر میں کوئی تبدیلی نہ دیکھ کر منگو کے دل میں ایک لمحے کے لیے حیرانی پیدا ہوئی۔ اس نے خود سے سوال کیا کہ کیا واقعی نیا قانون آچکا ہے؟ نیا قانون آنے سے بھی کچھ کیوں نہیں بدلا؟ اس کے دل میں شکوک و شبہات پیدا ہونے لگے لیکن اس نے جلد ہی ان خیالات کو جھٹک دیا۔ اس کے دل میں جو امید تھی وہ اتنی مضبوط تھی کہ حقیقت کو دیکھ کر بھی وہ اسے ماننے کو تیار نہ تھا۔ اس نے خود کو تسلی دی کہ شاید ابھی صبح ہوئی ہے، ابھی سب کچھ واضح نہیں ہوا۔ تھوڑی دیر بعد سب کچھ نیا ہو جائے گا۔

؎ ابھی غم کی گھٹاؤں سے خوشی کا چاند نکلے گا　　اندھیری رات کے پردے میں دن کی روشنی بھی ہوگی

(اختر شیرانی)

یہاں منگو کی سادگی اور اس کے خیالات کا اندازہ ہوتا ہے۔ وہ دنیا کو بہت سیدھے اور آسان طریقے سے سمجھتا تھا۔ اسے لگتا تھا کہ نیا قانون کسی جادو کی چھڑی کی طرح ہوگا جو یک دم سب کچھ بدل دے گا۔ وہ نہیں جانتا تھا کہ قوانین چاہے کتنے بھی اچھے ہوں، ان کے اثرات آہستہ آہستہ ظاہر ہوتے ہیں۔ اسے یہ سمجھ نہیں تھی کہ کسی بھی ملک میں تبدیلی صرف قانون بنانے سے نہیں آتی بلکہ لوگوں کے رویے، حکومت کے اقدامات اور وقت کے ساتھ ساتھ تبدیلی آتی ہے۔ منگو ان سب باتوں سے بے خبر تھا۔ اس کے لیے قانون کا مطلب ایک جادوئی تبدیلی تھی جو یکم اپریل کی صبح آتے ہی نظر آنی چاہیے تھی۔

"نیا قانون" جس کا منگو کو انتظار تھا دراصل وہ آئینی اصلاح یا قانون سازی تھی جسے برطانوی حکومت نے ہندوستان میں نافذ کرنے کا اعلان کیا تھا۔ وہ قانون برطانوی پارلیمنٹ میں بحث کے بعد منظور کیا جاتا تھا۔ اس کے بعد اسے وائسرائے کی منظوری کے بعد ہندوستان میں نافذ کرتا تھا۔ قوانین بنانے کا یہ طریقہ برطانوی راج کے تحت تھا۔ قانون سازی میں مقامی عوام کی رائے یا خواہشات کو زیادہ اہمیت نہیں دی جاتی تھی۔

؎ وہ تیرگی ہے کہ اکثر خیال آتا ہے　　میرے فلک پہ کوئی آفتاب ہے کہ نہیں

(معین احسن جذبی)

منگو کو قانون سازی اور قانون کے نفاذ کے سارے عمل کا بالکل علم نہیں تھا۔ اس کے دل میں بڑی امید تھی کہ جب یکم اپریل کو وہ شہر میں نکلے گا تو اسے سب کچھ نیا نظر آئے گا۔ دکانوں کے سائن بورڈ بدلے ہوں گے، سڑکوں پر کچھ نیا رنگ ہوگا، لوگوں میں بھی شاید کوئی نیا جوش و خروش ہوگا، انگریز ملک سے جا چکے ہوں گے یا کوئی ایسا منظر ہوگا جس سے اسے محسوس ہوگا کہ نیا قانون آچکا ہے۔ لیکن جب اس نے چاروں طرف نظر دوڑائی تو سب کچھ پہلے جیسا ہی تھا۔ سارا منظر دیکھ کر اس کا دل کچھ لمحوں کے لیے دھڑکا جیسے کسی نے اس کی امیدوں کو توڑنے کی کوشش کی ہو مگر وہ فوراً سنبھل گیا۔ اس نے سوچا کہ شاید تبدیلی کو نظر آنے میں تھوڑا وقت لگے گا۔

؎ ہماری بستی میں ہر طرف انقلاب نو کا عمل تھا جاری　　نہ جانے یہ کون سا جہاں ہے نہ کوئی آہٹ، نہ کوئی ہلچل

(نصرت گوالیاری)

یہ منظر دراصل ایک عام ہندوستانی کے خیالات کی عکاسی کرتا ہے۔ جو اپنے ملک کے حالات کو بدلتے دیکھنے کے لیے بے چین ہوتا ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ ہر چیز فوراً بہتر ہو جائے لیکن حقیقت میں تبدیلیاں وقت کے ساتھ آتی ہیں۔ استاد منگو کی کہانی ہمیں یہ بتاتی ہے کہ سادہ لوگ اکثر بڑی بڑی باتوں کو اپنے طریقے سے سمجھتے ہیں اور بعض اوقات ان چیزوں پر یقین کر لیتے ہیں جو حقیقت میں فوری ممکن نہیں ہوتیں۔ منگو نے نئے قانون کو بھی اسی طرح دیکھا تھا۔ اس نے اسے ایک معجزے کی طرح سمجھا تھا۔ جو یکم

parho.pk

اپریل کی صبح آتے ہی دنیا کو بدل دے گا۔ مگر جب ایسا نہیں ہوا تو بھی وہ مایوس نہیں ہوا بلکہ اس نے اپنی امید کو قائم رکھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ حقیقت کی بجائے اپنی خواہشات اور امیدوں پر یقین رکھتا تھا۔

ہمیں یقیں ہے کہ ہم ہیں چراغِ آخرِ شب ہمارے بعد اندھیرا نہیں اُجالا ہے
(ظہیر کاشمیری)

عبارت نمبر 16

جب اس کا تانگہ گورنمنٹ کالج کے دروازے کے قریب پہنچا تو کالج کے گھڑیال نے بڑی رعونت سے نو بجائے۔ جو طلبا کالج کے بڑے دروازے سے باہر نکل رہے تھے خوش پوش تھے۔ مگر استاد منگو کو نہ جانے ان کے کپڑے میلے میلے سے کیوں نظر آئے۔ شاید اس کی وجہ یہ تھی کہ اس کی نگاہیں آج کسی خیرہ کن جلوے کا نظارہ کرنے والی تھیں۔

تانگے کو دائیں ہاتھ موڑ کر وہ تھوڑی دیر کے بعد پھر انار کلی میں تھا۔ بازار کی آدھی دکانیں کھل چکی تھیں اور اب لوگوں کی آمد ورفت بھی بڑھ گئی تھی۔ حلوائی کی دکانوں پر گاہکوں کی خوب بھیڑ تھی۔ منیاری والوں کی نمائشی چیزیں شیشے کی الماریوں میں لوگوں کو دعوتِ نظارہ دے رہی تھیں اور بجلی کے تاروں پر کئی کبوتر آپس میں لڑ جھگڑ رہے تھے۔ مگر استاد منگو کے لیے ان تمام چیزوں میں کوئی دل چسپی نہ تھی۔۔۔۔ وہ نئے قانون کو دیکھنا چاہتا تھا۔ ٹھیک اسی طرح جس طرح وہ اپنے گھوڑے کو دیکھ رہا تھا۔

سیاق وسباق

تشریح طلب عبارت سے پہلے مصنف کہتے ہیں کہ منگو اپنے اڈے میں نہایت سمجھ دار آدمی سمجھا جاتا تھا۔ رسمی تعلیم نہ ہونے کے باوجود منگو کے تمام ہم پیشہ اس کے علم وفہم کے قائل تھے۔ سواریوں سے ملنے والی خبریں اور افواہیں اس کی معلومات میں اضافے کا ذریعہ تھیں۔ وہ انگریزوں سے سخت نفرت کرتا تھا اور نئے قانون کے نفاذ کا خواہش مند تھا۔ جب اُس نے سواری سے نئے قانون کے نفاذ کی خبر سنی تو اس کی خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی۔ آخر کار وہ یکم اپریل کو نیا قانون دیکھنے کے لیے گھر سے نکل پڑا۔
تشریح طلب عبارت کے بعد مصنف کہتے ہیں کہ یکم اپریل کو چھاؤنی میں منگو کا ایک انگریز سے جھگڑا ہو گیا اور پولیس استاد منگو کو پکڑ کر تھانے لے گئی۔ وہ راستے میں اور تھانے میں نیا قانون، نیا قانون چلاّ تا رہا، لیکن قانون تو وہی پُرانا تھا۔ اسے حوالات میں بند کر دیا گیا۔

تشریح

سعادت حسن منٹو اردو کے عظیم افسانہ نگار تھے۔ انھوں نے سماجی سچائیوں کو جرأت مندانہ انداز میں پیش کیا ہے۔ ان کا اندازِ تحریر سادہ مگر اثر انگیز ہے۔ ان کے افسانے ''نیا قانون'' میں استحصالی نظام پر گہری طنز ہے۔ اس کہانی میں استاد منگو کا کردار انگریز راج کے خلاف ایک عام ہندوستانی کے جذبات کی عکاسی کرتا ہے۔

مصنف کہتے ہیں کہ استاد منگو کو نئے قانون کی آمد کا شدت سے انتظار تھا۔ یکم اپریل کی صبح وہ بڑے جوش وخروش کے ساتھ تانگہ لے کر نکلا۔ نیا قانون آنے کے بعد شہر میں ہونے والی تبدیلیوں کو وہ اپنی آنکھوں سے دیکھنا چاہتا تھا۔ اسے یقین تھا کہ یکم اپریل کو سب کچھ بدل جائے گا۔ ہر چیز میں نئی روشنی، ایک نیا رنگ اور ایک تازگی محسوس ہوگی۔ مگر جب وہ شہر کی سڑکوں اور بازاروں میں گھوما تو اسے ہر چیز ویسی ہی پرانی نظر آئی۔ نہ دکانیں بدلی تھیں، نہ لوگ اور نہ بازار کا ماحول۔ وہ مایوسی اور تجسس کے عالم میں گورنمنٹ کالج کی طرف چلا گیا۔
تشریح طلب عبارت میں مصنف کہتے ہیں کہ استاد منگو جب گورنمنٹ کالج کے دروازے کے قریب پہنچا تو اس نے کالج کے گھڑیال کو نو بجاتے سنا۔ گورنمنٹ کالج لاہور اپنی شان دار عمارت اور تعلیمی معیار کے لحاظ سے ہندوستان کے بہترین کالجوں میں شمار ہوتا تھا۔ منگو کا خیال تھا کہ نئے قانون سے تبدیلی کا اثر وہاں زیادہ نمایاں ہوگا۔ جب وہ پہنچا تو نو بجے کا وقت تھا۔ گھڑیال

کا وقت بتانے کا انداز منگو کو رعونت بھرا محسوس ہوا۔ یہ محض وقت کا اعلان نہیں بلکہ ایک خاص وقار اور تحکم کے ساتھ اپنی موجودگی کا اعلان تھا۔ کالج کے دروازے سے نکلتے ہوئے طلبہ خوش لباس تھے۔ ان کے کپڑے صاف ستھرے اور اچھے معیار کے تھے لیکن استاد منگو کو ان کے لباس میلے دکھائی دے رہے تھے۔ اس کی یہ کیفیت دراصل اس کی ذہنی حالت کا نتیجہ تھی۔ وہ نئے قانون کے انتظار میں تھا اور اس کے ذہن میں کسی نئی، چمکدار چیز کا تصور تھا۔ اس کے دل ودماغ میں ایک درخشاں اور تابناک تبدیلی کی امید موجود تھی۔ اس کی خواہش تھی کہ ہر چیز میں ایک نیا پن ہو۔ وہ اسی امید اور خواہش کے ساتھ گھر سے نکلا تھا۔ لیکن اسے جب کوئی تبدیلی اور نیا پن نظر نہیں آیا تو وہ قدرے مایوس ہو گیا۔ اب اس کے ذہن کی یہ حالت تھی کہ طلبہ کے صاف ستھرے لباس بھی اسے میلے دکھائی دے رہے تھے۔

ے ناامیدی بڑھ گئی ہے اس قدر آرزو کی آرزو ہونے لگی

(مرزا خاں داغؔ)

اس کیفیت کا سبب یہ تھا کہ اس کی آنکھیں کسی ''خیرہ کن جلوے'' کی متلاشی تھیں۔ وہ کچھ ایسا دیکھنا چاہتا تھا جو حقیقتاً نیا اور انقلابی ہو۔ وہ کچھ ایسا دیکھنا چاہتا تھا جو اسے محسوس کرائے کہ واقعی نیا قانون آچکا ہے اور ہر چیز بدل چکی ہے۔ لیکن چوں کہ ظاہری طور پر کچھ بھی اسے بدلا ہوا محسوس نہ ہوا اس لیے اس کے شعور نے حقیقت کو اسی طرح قبول کرنے سے گریز کرنا شروع کر دیا۔ عام انسانی نفسیات ہے کہ جب انسان کسی بڑی امید میں ناکامی کا سامنا کرتا ہے تو وہ مایوسی میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ پھر اسے ہر چیز بے رونق اور پرانی محسوس ہوتی ہے۔ بقول ناصر کاظمی:

ے دل تو میرا اداس ہے ناصرؔ شہر کیوں سائیں سائیں کرتا ہے

گورنمنٹ کالج کے دروازے کے قریب سے گزرنے کے بعد منگو نے تانگے کو دائیں طرف موڑا اور تھوڑی دیر بعد دوبارہ انارکلی بازار میں داخل ہو گیا۔ نو بج چکے تھے اور بازار میں لوگوں نے اپنے معمول کے کام شروع کر دیے تھے۔ اس نے دیکھا کہ بازار روزانہ کی طرح کھل رہے تھے اور لوگ اپنی روزمرہ کی خرید وفروخت میں مصروف تھے۔ حلوائی کی دکان پر چہل پہل تھی۔ گاہک دکانوں کے سامنے کھڑے تازہ مٹھائیوں کا جائزہ لے رہے تھے۔ کوئی جلیبی خرید رہا تھا، کوئی تازہ لسی کا گلاس تھامے ناشتہ کر رہا تھا، دکان دار آوازیں لگا کر گاہکوں کو لبھا رہے تھے۔ کاروبار معمول کے مطابق چل رہا تھا۔ منگو کو یہاں بھی کوئی نئی چیز دیکھنے کو نہ ملی۔ بازار کا ماحول ویسا ہی تھا جیسا کل تھا، پرسوں تھا اور ہمیشہ سے چلا آرہا تھا۔

ے نہ جانے کس لیے اُمیدوار بیٹھا ہوں اک ایسی راہ پہ جو تیری رہ گزر بھی نہیں

(فیض احمد فیض)

منیاری کی دکانوں پر شیشے کی الماریوں میں سجی چیزیں جگمگا رہی تھیں۔ رنگ برنگی چوڑیاں، سنگھار کا سامان، عطر کی چھوٹی شیشیاں اور خوش بودار تیل کی بوتلیں قطار میں رکھی تھیں۔ ہر چیز چمک رہی تھی اور خریداروں کو اپنی طرف متوجہ کر رہی تھی۔ استاد منگو کو ان سب چیزوں میں کوئی نیا رنگ نظر نہیں آرہا تھا۔

بازار میں لوگوں کی آمد ورفت بڑھ گئی تھی۔ مرد، عورتیں اور بچے سب اپنے اپنے کاموں میں مصروف تھے۔ کئی خریداری کر کے خوشی خوشی دکانوں سے نکل رہے تھے۔ لوگ اپنے اپنے معاملات میں مگن تھے۔ کسی کے چہرے پر کوئی خاص حیرت یا خوشی نہیں تھی۔ بازار میں ایسا کچھ بھی نہیں تھا جو یہ ظاہر کرے کہ آج کوئی بڑا دن ہے۔ کوئی نیا قانون آگیا ہے یا آج کوئی انقلاب آگیا ہے۔ منگو نے بجلی کے تاروں پر بیٹھے کبوتروں کو دیکھا جو آپس میں لڑ جھگڑ رہے تھے۔ یہ معمول کی بات تھی۔ یہ روز کے مناظر تھے جو ہر دن کی طرح آج بھی جاری تھے۔

گورنمنٹ کالج کی طرف اور انارکلی بازار میں کہیں بھی استاد منگو کو بڑی تبدیلی نظر نہ آئی۔ ہر جگہ لوگ اپنے معمول کے مطابق کام کاج میں مصروف تھے۔ یہ سب دیکھ کر استاد منگو کے دل میں بے چینی بڑھ گئی۔ اس نے بہت کچھ دیکھا تھا مگر جس تبدیلی کو دیکھنے کے

ilm.pk

لیے وہ نکلا تھا، وہ کہیں نظر نہیں آ رہی تھی۔ اس نے مارواڑی کی بات سُن رکھی تھی کہ نیا قانون آنے سے کچھ نہ کچھ تبدیلی ضرور آئے گی۔ منگو کو نئے قانون کی آمد سے بہت بڑی تبدیلی کا یقین تھا۔ مگر آج یکم اپریل کو بھی ہر چیز میں پرانی دنیا کی جھلک نظر آ رہی تھی۔ توقع کے خلاف، ہر منظر ویسا ہی تھا جیسا وہ روز دیکھتا تھا۔ وہ حیران تھا کہ نیا قانون آجانے کے باوجود کسی چیز پر اس کا کوئی اثر نظر نہیں آ رہا تھا۔

؎ نئے زمانے کی مَیں بشارت کا منتظر ہوں مگر ابھی تک — حیات ایسے رواں دواں ہے نہ کوئی آہٹ، نہ کوئی ہلچل

(نصرت گوالیاری)

یہ تمام تفصیلات ایک عام انسان کی سوچ کی عکاسی کرتی ہیں۔ جب کوئی شخص کسی بڑی تبدیلی کی امید لگا لیتا ہے تو وہ ہر چیز کو ایک نئے زاویے سے دیکھتا ہے۔ اگر اسے تبدیلی نظر نہ آئے تو وہ حقیقت کو بھی دھندلا دیکھنے لگتا ہے۔ استاد منگو کے ساتھ بھی یہی ہوا۔ وہ جس حیرت انگیز تبدیلی کا انتظار کر رہا تھا وہ اس کی نظروں کے سامنے نہیں آ رہی تھی۔ یہی بات اس کے لیے الجھن کا باعث بن رہی تھی۔ اس کے باوجود وہ ابھی تک مایوس نہیں ہوا تھا۔ اسے اب بھی امید تھی کہ شاید تھوڑی دیر بعد، کسی اور جگہ، کسی اور بازار میں اسے وہ نیا قانون دیکھنے کو مل جائے گا جس کا وہ اتنے دنوں سے انتظار کر رہا تھا۔

عبارت نمبر 17

کچھ بھی ہو مگر استاد منگو نئے قانون کے انتظار میں اتنا بے قرار نہیں تھا جتنا کہ اسے اپنی طبیعت کے لحاظ سے ہونا چاہیے تھا۔ وہ آج نئے قانون کو دیکھنے کے لیے گھر سے نکلا تھا۔ ٹھیک اسی طرح جیسے گاندھی یا جواہر لال کے جلوس کا نظارہ کرنے کے لیے نکلا کرتا تھا۔

لیڈروں کی عظمت کا اندازہ استاد منگو ہمیشہ ان کے جلوس کے ہنگاموں اور ان کے گلے میں ڈالے ہوئے پھولوں کے ہاروں سے کیا کرتا تھا۔ اگر کوئی لیڈر گیندے کے پھولوں سے لدا ہو تو استاد منگو کے نزدیک وہ بڑا آدمی تھا اور اگر کسی لیڈر کے جلوس میں بھیڑ کے باعث دو تین فساد ہوتے ہوتے رہ جائیں تو اس کی نگاہوں میں وہ اور بھی بڑا تھا۔ اب نئے قانون کو وہ اپنے ذہن کے اسی ترازو میں تولنا چاہتا تھا۔

سیاق و سباق

تشریح طلب عبارت سے پہلے مصنف کہتے ہیں کہ منگو کو چوان ان پڑھ ہونے کے باوجود اڈے میں سب سے زیادہ عقل مند سمجھا جاتا تھا۔ اسے دنیا کے تمام معاملات کا علم تھا اور اس کے علم کا واحد ذریعہ اس کی سواریاں تھیں۔ منگو کو انگریزوں سے سخت نفرت تھی اس لیے وہ ان سے جان چھڑانا چاہتا تھا۔ جب اس نے اپنی سواریوں سے یکم اپریل سے نئے قانون کے نفاذ کی خبر سنی تو بے حد خوش ہو گیا۔ وہ اس سے طرح طرح کی امیدیں وابستہ کر چکا تھا۔ یکم اپریل کو جب منگو نیا قانون دیکھنے کے لیے گھر سے باہر نکلا تو اسے سب کچھ پہلے جیسا نظر آیا۔

تشریح طلب عبارت کے بعد مصنف لکھتے ہیں کہ یکم اپریل کو چھاؤنی میں منگو کی لڑائی ایک انگریز سے ہو گئی۔ منگو کو پولیس گرفتار کر کے تھانے لے گئی۔ راستے میں وہ نیا قانون نیا قانون چلّاتا رہا۔ لیکن قانون تو وہی پرانا تھا۔ لہٰذا اُسے حوالات میں بند کر دیا گیا۔

تشریح

سعادت حسن منٹو اردو کے عظیم افسانہ نگار تھے۔ انھوں نے سماجی سچائیوں کو جرأت مندانہ انداز میں پیش کیا ہے۔ ان کا اندازِ تحریر سادہ مگر اثر انگیز ہے۔ ان کے افسانے ''نیا قانون'' میں استحصالی نظام پر گہری طنز ہے۔ اس کہانی میں استاد منگو کا کردار انگریز راج کے خلاف ایک عام ہندوستانی کے جذبات کی عکاسی کرتا ہے۔

مصنف بتاتے ہیں کہ استاد منگو ایک عام کوچوان تھا مگر اس کے دل میں آزادی کی شدید خواہش تھی۔ جب اسے معلوم ہوا کہ ہندوستان میں نیا قانون نافذ ہونے والا ہے تو اسے لگا کہ اس کا آزادی کا خواب پورا ہونے والا ہے۔ اس نے نئے قانون کے بارے میں بہت کچھ سُن رکھا تھا۔ اسے یقین تھا کہ نیا قانون نافذ ہوتے ہی ملک میں ہر چیز بدل جائے گی۔ یکم اپریل کی صبح وہ نئے قانون کے نفاذ کے ساتھ ہی اپنی آنکھوں سے بڑی تبدیلی دیکھنا چاہتا تھا۔ اسی امید میں وہ صبح سویرے تانگہ لے کر نکلا تا کہ

ilmkidunya / Parho.pk

انقلاب کو دیکھ سکے۔ اس نے شہر میں چکر لگایا مگر اسے ہر چیز پرانی نظر آئی۔ اس نے گورنمنٹ کالج اور انارکلی بازار کی طرف بھی دیکھا مگر سب کچھ معمول کے مطابق پرانا تھا۔ اس کا دل بے چینی سے دھڑک رہا تھا اور وہ بے تاب تھا کہ آخر نیا قانون کیسا ہوگا۔ یہ انتظار اس کی طبیعت کے مطابق تھا۔ وہ عام طور پر سیاست اور بڑی تبدیلیوں میں دل چسپی لیتا تھا۔ جب بھی شہر میں کوئی خاص واقعہ ہوتا، جیسے کسی مشہور سیاست دان کا جلسہ یا جلوس تو وہ اسے دیکھنے ضرور جاتا تھا۔ گاندھی اور جواہر لال اس کے پسندیدہ سیاست دان تھے۔ ہزاروں لوگوں کی طرح وہ بھی ان سیاست دانوں کے جلسوں میں ضرور شرکت کرتا۔

گاندھی جی جنھیں ''مہاتما گاندھی'' بھی کہا جاتا ہے، ہندوستان کی آزادی کی تحریک کے سب سے بڑے رہنما تھے۔ وہ سیاست میں عدمِ تشدد کے اصول پر یقین رکھتے تھے۔ وہ ہمیشہ امن و امان کے ساتھ انگریزوں کے خلاف جدوجہد کرتے تھے۔ انھوں نے ہندوستان کو انگریزوں سے آزاد کرانے کے لیے کئی تحریکیں چلائیں۔ ان تحریکوں میں ''عدمِ تعاون کی تحریک''، ''سول نافرمانی تحریک'' اور ''بھارت چھوڑو تحریک'' مشہور ہیں۔ ان کی خاص بات یہ تھی کہ وہ ہمیشہ سادگی سے رہتے تھے۔ وہ کھدر کا لباس پہنتے اور گاؤں گاؤں جا کر لوگوں کو آزادی کی اہمیت سمجھاتے تھے۔ ان کی باتیں عام آدمی کے دل میں گھر کر جاتی تھیں۔ بڑی تعداد میں لوگ ان کے جلسوں اور جلوسوں میں شریک ہوتے تھے۔

جواہر لال نہرو بھی ہندوستان کی آزادی کی تحریک کے ایک اہم رہنما اور مہاتما گاندھی کے قریبی ساتھی تھے۔ آزادی کے بعد وہ ہندوستان کے پہلے وزیرِ اعظم بنے۔ انھیں بچوں سے بہت محبت تھی اس لیے انھیں ''چچا نہرو'' کہا جاتا ہے۔ بھارت میں ان کا یومِ پیدائش ''یومِ اطفال'' کے طور پر منایا جاتا ہے۔ وہ ہمیشہ جدید سوچ اور ترقی پر زور دیتے تھے۔ وہ چاہتے تھے کہ ہندوستان ایک ترقی یافتہ اور مضبوط ملک بنے۔

ے وہ دن آنے کو ہے آزاد جب ہندوستاں ہوگا   مبارک باد اس کو دے رہا سارا جہاں ہوگا

عام لوگ ان رہنماؤں کو بہت عزت کی نظر سے دیکھتے تھے۔ جب بھی ان کا کوئی جلسہ ہوتا یا جلوس نکلتا تو لوگ بڑی تعداد میں سڑکوں پر آ جاتے تاکہ انھیں دیکھ سکیں۔ دور دور سے لوگ ان کی تقریریں سننے اور ان کی ایک جھلک دیکھنے کے لیے آتے تھے۔ استاد منگو کو بھی ان رہنماؤں سے بہت محبت تھی۔ اس کے لیے گاندھی جی اور نہرو جی کا جلوس دیکھنا ایک خاص موقع ہوتا تھا۔ وہ صرف یہ نہیں چاہتا تھا کہ ان کی تقریریں سنے بلکہ وہ ان رہنماؤں کو اپنی آنکھوں سے دیکھ کر خوش ہوتا تھا۔ وہ ان کی تقریروں اور جلسوں سے متاثر ہوتا تھا۔ آج جب وہ نیا قانون دیکھنے کے لیے نکلا تو اس کا جوش ویسا ہی تھا جیسا کسی بڑے لیڈر کے جلوس کے لیے ہوتا تھا۔ وہ بڑی خوشی اور جذبے سے صبح سویرے تانگہ کو جوت کر باہر نکلا اور بازاروں میں گھومتا رہا۔ اس کی بے قراری اور تجسس ظاہر کر رہا تھا کہ اس کے لیے وہ قانون بہت اہم تھا۔ وہ اسے کسی حقیقت کی طرح دیکھنا چاہتا تھا۔ وہ اس قانون کا اثر اسی طرح دیکھنا چاہتا تھا جیسے جلوس میں گاندھی اور نہرو کو دیکھتا تھا۔

استاد منگو ایک عام فہم کا آدمی تھا جو دنیا کو اپنے سادہ اور جذباتی انداز میں دیکھتا تھا۔ وہ کسی بھی لیڈر کی عظمت کا اندازہ اس کی تقریروں یا اصولوں سے نہیں بلکہ اس کے گلے میں ڈالے گئے پھولوں کے ہاروں سے لگاتا تھا۔ اس کے نزدیک اگر کسی لیڈر کے جلوس میں بہت زیادہ لوگ شامل ہوتے اور وہ گیندے کے پھولوں کے ہاروں سے لدا ہوتا تو وہ بڑا آدمی سمجھا جاتا تھا۔ اگر کسی لیڈر کے جلوس میں بہت زیادہ بھیڑ کی وجہ سے فساد ہوتے ہوتے رہ جاتا تو استاد منگو کے خیال میں اس لیڈر کی عظمت اور بڑھ جاتی تھی۔ منگو کی یہ سوچ عام لوگوں کی سادہ اور جذباتی سوچ کی نمائندگی کرتی ہے۔ ایسی سوچ کے حامل لوگ چیزوں کے ظاہری پہلو پر زیادہ دھیان دیتے ہیں۔ وہ لیڈروں کے خیالات اور اصولوں کو زیادہ اہمیت نہیں دیتے۔

منگو کی زندگی میں بھی یہی انداز نظر آتا ہے۔ وہ نئے قانون کو بھی اسی ترازو میں تولنا چاہتا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ جس طرح لوگ بڑے لیڈر کے جلوس میں جمع ہو کر نعرے لگاتے ہیں اسی طرح نئے قانون کے نفاذ پر بھی لوگ جوش و خروش کا مظاہرہ کریں گے۔ وہ سمجھتا تھا کہ اگر نیا قانون واقعی اہم ہے تو اس کا اثر فوری طور پر نظر آئے گا۔ اس کی نظر میں نیا قانون بھی کسی بڑے

لیڈر کی طرح تھا۔ جب اسے شہر میں کوئی بڑی تبدیلی نظر نہ آئی تو وہ مایوس ہو گیا۔ منگو کا یہ نظریہ حقیقت پسندانہ نہیں بلکہ جذباتی تھا۔ وہ دنیا کو صرف سطحی انداز میں دیکھنے کا عادی تھا۔ بقول شاعر:

؎ رُتوں نے اپنے قرینے بدل لیے لیکن ہمارے طور وہی ہیں نہیں بدلتے ہیں
(اشفاق عامر)

عبارت نمبر 18

انارکلی سے نکل کر وہ مال روڈ کی چمکیلی سطح پر اپنے تانگے کو آہستہ آہستہ چلا رہا تھا کہ موٹروں کی دکان کے پاس اسے چھاؤنی کی ایک سواری مل گئی۔ کرایہ طے کرنے کے بعد اس نے اپنے گھوڑے کو چابک دکھایا اور دل میں خیال کیا، ''چلو یہ بھی اچھا ہوا۔۔۔۔ شاید چھاؤنی سے نئے قانون کا کچھ پتہ چل جائے۔''
وہ نئے قانون کی موجودگی میں میونسپل کمیٹی سے تانگوں کے نمبر ملنے کے طریقے پر غور کر رہا تھا۔ وہ اس قابلِ غور بات کو آئینِ جدید کی روشنی میں دیکھنے کی سعی کر رہا تھا۔ وہ اس سوچ بچار میں غرق تھا۔ اسے یوں معلوم ہوا جیسے کسی سواری نے اسے بلایا ہے۔ پیچھے پلٹ کر دیکھنے سے اسے سڑک کے اس طرف دور بجلی کے کھمبے کے پاس ایک ''گورا'' کھڑا نظر آیا جو اسے ہاتھ سے بلا رہا تھا۔

سیاق و سباق

تشریح طلب عبارت سے پہلے مصنف کہتے ہیں کہ استاد منگو انگریزوں سے سخت نفرت کرتا تھا اور ایک نئے قانون کے نفاذ کا خواہش مند تھا، جس کے ذریعے اسے انگریزوں سے چھٹکارا مل سکتا۔ جب اُس نے اپنی سواری سے نئے قانون کے نفاذ کی خبر سُنی تو اس کی خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی۔ نئے قانون کے بارے میں سوچ کر اس کے جسم میں خوشی کی لہر دوڑ جاتی۔ آخر کار یکم اپریل آ گئی۔ منگو نیا قانون دیکھنے کے لیے گھر سے نکلا، لیکن شہر میں سب کچھ حسبِ معمول تھا۔ اسے بازار میں کچھ نیا دیکھنے کو نہیں ملا۔
تشریح طلب عبارت کے بعد مصنف کہتے ہیں کہ چھاؤنی میں استاد منگو کی لڑائی ایک انگریز سے ہو جاتی ہے اور پولیس اُسے گرفتار کر کے لے جاتی ہے۔ وہ سارے راستے اور تھانے میں نیا قانون، نیا قانون چلّاتا رہتا ہے۔ لیکن قانون تو وہی پرانا تھا۔ لہٰذا اسے حوالات میں بند کر دیا جاتا ہے۔

تشریح

سعادت حسن منٹو اردو کے عظیم افسانہ نگار تھے۔ انھوں نے سماجی سچائیوں کو جرأت مندانہ انداز میں پیش کیا ہے۔ ان کا اندازِ تحریر سادہ مگر اثر انگیز ہے۔ ان کے افسانے ''نیا قانون'' میں استحصالی نظام پر گہری طنز ہے۔ اس کہانی میں استاد منگو کا کردار انگریز راج کے خلاف ایک عام ہندوستانی کے جذبات کی عکاسی کرتا ہے۔
مصنف کہتے ہیں کہ استاد منگو ایک عام تانگے والا تھا مگر اس کا دل ایک عام آدمی کے دل سے کہیں زیادہ جذباتی تھا۔ وہ ایک سادہ مگر جوشیلا آدمی تھا۔ اس کے خیالات میں سیاست اور آزادی کی باتیں گہرائی سے بسی ہوئی تھیں۔ وہ نئے قانون کے نفاذ کے بعد لاہور کی گلیوں، بازاروں اور سڑکوں پر گھوم رہا تھا۔ وہ اپنی آنکھوں سے کوئی واضح تبدیلی دیکھنا چاہتا تھا۔ اس کے اندر کی بے چینی بڑھتی جا رہی تھی کیوں کہ ہر چیز پہلے جیسی تھی۔ دکانوں، بازاروں اور لوگوں کی مصروفیات میں کوئی واضح فرق نظر نہیں آ رہا تھا۔ نئے قانون کے اثرات کہیں دکھائی نہیں دے رہے تھے۔
کوئی بڑی تبدیلی دیکھنے کی امید میں وہ انارکلی بازار آیا۔ یہاں کے حالات دیکھ کر اسے مایوسی ہوئی۔ چناں چہ وہ انارکلی سے نکلا اور تانگہ لے کر مال روڈ کی چمکتی سڑک پر آ گیا۔ مال روڈ، لاہور کی ایک مشہور اور تاریخی سڑک ہے، یہ سڑک اہم سرکاری عمارتوں، تعلیمی اداروں، ہوٹلوں اور مشہور بازاروں سے گھری ہوئی ہے۔ یہ سڑک برطانوی دور سے ہی اپنی خوب صورتی اور اہمیت کے

parho.pk

لیے پہچانی جاتی ہے۔ سڑک پر تانگہ چلاتے ہوئے اس کی نظر اردگرد کے مناظر کا جائزہ لے رہی تھی، اسے کسی ایسے منظر کی تلاش تھی جو اسے یقین دلا سکتا کہ واقعی کوئی نیا قانون آچکا ہے۔ ہر چیز جوں کی توں تھی۔ ایسا لگتا تھا جیسے وقت تھم گیا ہو اور پرانی دنیا میں کوئی تبدیلی نہ آئی ہو۔ اس کی بے چینی بڑھتی جا رہی تھی مگر وہ مایوس نہیں تھا، وہ کسی ایسی جگہ جانا چاہتا تھا جہاں اسے نئے قانون کا کچھ اثر دکھائی دیتا۔

؎ نئے زمانے کی مَیں بشارت کا منتظر ہوں مگر ابھی تک حیات ایسے رواں دواں ہے نہ کوئی آہٹ، نہ کوئی ہلچل

(نصرت گوالیاری)

اور بقول نصرت گوالیاری:

؎ ہر شخص اپنی اپنی جگہ یوں ہے مطمئن جیسے کہ جانتا ہو قضا کا ہے رخ کدھر

چلتے چلتے جب وہ موٹروں کی دکانوں کے پاس پہنچا تو اچانک اسے ایک سواری مل گئی۔ وہ سواری چھاؤنی جانا چاہتی تھی۔ استاد منگو نے موقع غنیمت جانا اور سواری سے فوراً کرایہ طے کر لیا۔ وہ دل ہی دل میں خوش تھا کہ اسے چھاؤنی سے صحیح معلومات مل جائیں گی۔ اس کا خیال تھا کہ اگر واقعی نیا قانون آیا ہے تو اس کا اثر سب سے پہلے انگریزوں کے علاقے یعنی چھاؤنی میں ہی نظر آنا چاہیے۔ اسے امید تھی کہ وہاں ضرور کوئی نیا منظر دیکھنے کو ملے گا۔ چھاؤنی میں فوجی نظم و ضبط میں فرق یا انگریز افسروں کے رویے میں تبدیلی سے نئے قانون کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا تھا۔

تانگہ آگے بڑھ رہا تھا اور استاد منگو کے خیالات کی رفتار بھی تیز ہو رہی تھی۔ اس کی آنکھوں میں ایک امید تھی لیکن ساتھ ہی ایک انجانا خوف بھی تھا کہ کہیں اس کی توقعات غلط نہ ثابت ہو جائیں۔ وہ کسی ایسے منظر کا منتظر تھا جو اس کے دل کو یقین دلا دے کہ واقعی سب کچھ بدل چکا ہے، وہ چھاؤنی پہنچنا چاہتا تھا اس لیے تانگہ تیز دوڑاتے ہوئے اسی جانب جا رہا تھا۔ تانگہ چلاتے ہوئے وہ ایک اور مسئلے پر بھی غور کر رہا تھا۔ وہ قانون اور اس کے اثرات کو سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ وہ میونسپل کمیٹی کے طریقۂ کار کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ نئے قانون کے تحت تانگوں کے نمبر لینے کا طریقہ کار کیا ہوگا؟ تانگوں کے نمبر لینے کے نظام میں کس قسم کی تبدیلی آئی ہوگی؟ کیا اس نظام میں نمبر لینے میں کوئی آسانی ہوگی یا اسے اور مشکل بنا دیا گیا ہوگا؟ کیا اب انصاف کے تقاضے پورے ہوں گے؟ کیا بدعنوانی، رشوت اور افسر شاہی کا خاتمہ ہو جائے گا؟ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اپنے کام سے متعلقہ معاملات میں بھی گہری دل چسپی لیتا تھا۔ اس کے دماغ میں یہی سوال تھا کہ نئے قانون کا اثر اس کی زندگی پر کیسے پڑے گا۔

؎ میرا جسم اور کہیں، میرا خیال اور کہیں مجھ کو لے جائے گی، یہ موجِ وصال اور کہیں

(عرفان صدیقی)

وہ انھی سوچوں میں گم تھا کہ اچانک اسے لگا جیسے کسی نے اسے بلایا ہے۔ اس نے پیچھے مڑ کر دیکھا۔ سڑک کے اس پار، بجلی کے کھمبے کے قریب ایک گورا کھڑا ہاتھ کے اشارے سے اسے بلا رہا تھا۔ یہاں ''گورا'' سے مراد انگریز سرکاری افسر یا فوجی ہے۔

استاد منگو کو گوروں سے نفرت تھی۔ جوں ہی اس کی نظر گورے پر پڑی اس کے دل میں نفرت کے جذبات بھڑک اٹھے۔ گورے افسر اس کی بے عزتی کیا کرتے تھے۔ وہ جانتا تھا کہ انگریزوں نے انھیں غلام بنا رکھا تھا اور وہ ہمیشہ حکم دینے کے عادی تھے۔ ان کی رعونت، ان کی حکمرانی اور ان کے رویے سے اسے ہمیشہ الجھن ہوتی تھی۔ مدت سے اس کی خواہش تھی کہ کوئی نیا قانون آئے اور انگریزوں کی حکومت ختم ہو۔ ہندوستانی اپنے ملک پر آپ حکومت کریں۔ غلامی کا دور ختم ہو اور غریبوں کو ان کے حقوق ملیں۔ غریبوں اور محنت کشوں کو عزت ملے اور انھیں بھی انسان سمجھا جائے۔ اس کا خیال تھا کہ انگریزوں کی حکومت کا خاتمہ اور ہندوستانیوں کی آزادی صرف نئے قانون کے ذریعے ہی ممکن ہے۔ اسے یقین تھا کہ نیا قانون نافذ ہوتے ہی انگریز یہاں سے چلے جائیں گے اور سب کچھ تبدیل ہو جائے گا۔ وہ صبح سویرے سے تبدیلی کی تلاش میں سرگرداں تھا لیکن اسے کوئی تبدیلی نظر نہیں آ رہی تھی۔ اس لیے گورے کو دیکھ کر اس کی نفرت جاگ اٹھی۔

یہ اقتباس ایک عام آدمی کی معصومیت، اس کے خیالات اور اس کی امیدوں کی عکاسی کرتا ہے۔ استاد منگو کے نزدیک نیا قانون کسی جادوئی چیز سے کم نہیں تھا جس کے آتے ہی سب کچھ بدل جائے گا۔ لیکن حقیقت میں ایسا نہیں تھا کیوں کہ قوانین کا اثر فوری نہیں ہوتا بلکہ وقت کے ساتھ آہستہ آہستہ ہوتا ہے۔ ایک عام آدمی ان باتوں کو گہرائی میں جا کر نہیں سمجھتا۔ وہ ہر سیاسی اور قانونی تبدیلی کو اپنی ذاتی زندگی کے نقطۂ نظر سے دیکھتا ہے۔ اس کی سوچیں اور امیدیں سطحی انداز کی ہوتی ہیں اس لیے وہ پوری نہیں ہو سکتیں۔

عبارت نمبر 19

وہ نئے قانون کی موجودگی میں میونسپل کمیٹی سے تانگوں کے نمبر ملنے کے طریقے پر غور کر رہا تھا۔ وہ اس قابلِ غور بات کو آئینِ جدید کی روشنی میں دیکھنے کی سعی کر رہا تھا۔ وہ اس سوچ بچار میں غرق تھا۔ اسے یوں معلوم ہوا جیسے کسی سواری نے اسے بلایا ہے۔ پیچھے پلٹ کر دیکھنے سے اسے سڑک کے اس طرف دور بجلی کے کھمبے کے پاس ایک ''گورا'' کھڑا نظر آیا جو اسے ہاتھ سے بلا رہا تھا۔
جیسا کہ بیان کیا جا چکا ہے استاد منگو کو گوروں سے بے حد نفرت تھی۔ جب اس نے اپنے تازہ گاہک کو گورے کی شکل میں دیکھا تو اس کے دل میں نفرت کے جذبات بیدار ہو گئے۔ پہلے تو اس کے جی میں آئی کہ بالکل توجہ نہ دے اور اس کو چھوڑ کر چلا جائے مگر بعد میں اس کو خیال آیا ان کے پیسے چھوڑنا بھی بے وقوفی ہے۔ کلغی پر جو مفت میں ساڑھے چودہ آنے خرچ کر دیے ہیں، ان کی جیب ہی سے وصول کرنے چاہییں۔

سیاق و سباق

تشریح طلب عبارت سے پہلے مصنف کہتے ہیں کہ استاد منگو نئے قانون کا خواہش مند تھا، تا کہ انگریزوں سے چھٹکارا مل سکے۔ جب وہ اپنی ایک سواری سے نئے قانون کے نفاذ کی خبر سنتا ہے تو بے حد خوش ہو جاتا ہے۔ اس کے جسم میں خوشی کی لہر دوڑ جاتی ہے۔ نئے قانون کا سن کر وہ پُر اُمید ہو جاتا ہے اور یکم اپریل کا انتظار کرنے لگتا ہے۔ آخر کار یکم اپریل آ جاتی ہے۔ وہ نیا قانون دیکھنے کے لیے گھر سے نکل جاتا ہے لیکن اُسے کوئی تبدیلی نظر نہیں آتی۔
تشریح طلب عبارت کے بعد مصنف کہتے ہیں کہ استاد منگو کا چھاؤنی میں ایک انگریز سے جھگڑا ہو جاتا ہے۔ وہ انگریز کو دھڑا دھڑ پیٹتا ہے اور کہتا ہے کہ یکم اپریل آ گئی، اب ہمارا راج ہے۔ پولیس منگو کو گرفتار کر کے لے جاتی ہے۔ وہ سارے راستے نیا قانون، نیا قانون چلاّ تا رہتا ہے۔ لیکن قانون تو وہی پرانا ہوتا ہے۔ اسے حوالات میں قید کر دیا جاتا ہے۔

تشریح

سعادت حسن منٹو اردو کے عظیم افسانہ نگار تھے۔ انھوں نے سماجی سچائیوں کو جرأت مندانہ انداز میں پیش کیا ہے۔ ان کا اندازِ تحریر سادہ مگر اثر انگیز ہے۔ ان کے افسانے ''نیا قانون'' میں استحصالی نظام پر گہری طنز ہے۔ اس کہانی میں استاد منگو کا کردار انگریز راج کے خلاف ایک عام ہندوستانی کے جذبات کی عکاسی کرتا ہے۔
تشریح طلب عبارت میں مصنف کہتے ہیں کہ یکم اپریل کو صبح سویرے وہ نئے قانون کے نفاذ کے اثرات دیکھنے کے لیے نکل کھڑا ہوا۔ اس کا خیال تھا کہ شہر میں کوئی بہت بڑی تبدیلی آ چکی ہوگی۔ وہ شہر کی گلیوں اور سڑکوں میں گھومتا رہا لیکن اسے کہیں کوئی تبدیلی نظر نہ آئی۔ اس نے انارکلی بازار میں دیکھا کہ سب لوگ اپنے کاموں میں مصروف تھے۔ ہر چیز پرانی تھی حالاں کہ نیا قانون نافذ ہو چکا تھا۔ وہ مایوس ہو کر انارکلی سے مال روڈ کی طرف نکل گیا۔ اسے چھاؤنی کی ایک سواری مل گئی تو اسے خوشی ہوئی کہ چھاؤنی سے اسے نئے قانون کے نفاذ کی خبر مل سکے گی۔ جب وہ تانگے پر چھاؤنی کی طرف جا رہا تھا تو اس کے ذہن میں نئے قانون کے بارے میں مختلف خیالات گردش کر رہے تھے۔ اسے یقین تھا کہ نئے قانون کے نفاذ سے ملک آزاد ہو جائے گا اور عام آدمی کی زندگی بہتر ہو جائے گی۔ اسے خیال آیا کہ نئے قانون سے اس کی زندگی پر بھی بہت اثر پڑے گی۔ اس کی زندگی پر کیا اثر پڑے گا؟ وہ سوچنے لگا کہ نئے قانون کی موجودگی میں میونسپل کمیٹی سے تانگوں کے نمبر کیسے ملیں گے؟

میونسپل کمیٹی سے تانگوں کے نمبر ملنے کا مطلب ہے تانگوں کو سرکاری طور پر رجسٹر کرنا اور اسے چلانے کی اجازت دینا۔ اُس دور میں آمد و رفت کے لیے تانگے عام استعمال ہوتے تھے۔ میونسپل کمیٹی ہر تانگے کو ایک مخصوص نمبر دیتی تھی۔ یہ نمبر گویا میونسپل کمیٹی کے رجسٹر میں رجسٹریشن کا حوالہ ہوتا تھا۔ رجسٹریشن نمبر دینے کی ایک فیس مقرر ہوتی تھی۔ اس کے علاوہ اس کا سالانہ ٹیکس بھی ادا کرنا پڑتا تھا۔ یہ فیس اور ٹیکس سرکاری اخراجات، سڑکوں کی دیکھ بھال، اڈوں کی دیکھ بھال اور ٹریفک کے انتظام کے لیے استعمال ہوتے تھے۔ کوچوانوں کو رجسٹریشن نمبر لینے میں کئی مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔ کمیٹی نے سڑک پر تانگا چلانے کے لیے گھوڑے اور تانگے کی حالت کے حوالے سے کئی اصول بنا رکھے تھے۔ کوچوانوں کے لیے ضروری تھا کہ وہ ان اصولوں اور ضروری اقدامات کو پورا کریں۔ بعض اوقات کمیٹی کے اہلکار رشوت لینے کے لیے تانگوں یا گھوڑوں کی حالت پر اعتراض لگا دیتے تھے۔ ایسے ہتھکنڈوں سے کوچوان تنگ آ جاتے تھے۔ منگو کا خیال تھا کہ نئے قانون کے نفاذ سے جب سب کو حقوق ملیں گے تو کوچوانوں کی بھی سنی جائے گی۔ وہ سوچ رہا تھا کہ میونسپل کمیٹی سے نمبر لینا بھی آسان ہو جائے گا۔ اس کے علاوہ ہو سکتا ہے نئے قانون میں سالانہ ٹیکس میں بھی کمی کر دی جائے یا ختم کر دیا جائے۔

منگو ایسے ہی خیالات میں گم چھاؤنی کی طرف جا رہا تھا۔ اچانک اسے محسوس ہوا کہ کوئی اسے بلا رہا ہے۔ اس نے چونک کر پیچھے دیکھا تو وہاں ایک گورا بجلی کے کھمبے کے پاس کھڑا تھا۔ منگو اس کی طرف متوجہ ہوا تو اس نے اسے ہاتھ کے اشارے سے اپنی طرف بُلایا۔ استاد منگو کو گوروں سے نفرت تھی۔ وہ اکثر انھیں ”سفید چوہے“ کہتا تھا۔ اسے گوروں کی شکل دیکھ کر متلی ہوتی تھی۔ وہ دوستوں میں بیٹھ کر انھیں بُرا بھلا کہتا اور ان کی شکل کا مذاق اڑاتا تھا۔ اس نفرت کی وجہ یہ تھی کہ منگو انھیں غاصب سمجھتا تھا۔ منگو کا خیال تھا کہ انھوں نے ہندوستانیوں کو غلام بنا رکھا ہے۔ دوسری وجہ یہ تھی کہ چھاؤنی کے انگریز افسر اس سے بہت بُرا سلوک کرتے تھے۔ جیسے ہی منگو نے گورے کو دیکھا اس کے دل میں نفرت کا ایک طوفان اٹھ کھڑا ہوا۔ انگریزوں کے خلاف جو نفرت وہ دل میں برسوں سے پال رہا تھا وہ ایک دم بھڑک اٹھی۔ اس نے ہمیشہ انھیں ظالم، جابر اور قابض حکمران سمجھا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ یہ لوگ ہندوستانیوں کو کمتر سمجھتے ہیں۔ یہ احساس اس کے دل میں ایک شدید بغاوت پیدا کر رہا تھا۔ بقول پروین شاکر:

؎ کچھ تو ترے موسم ہی مجھے راس کم آئے اور کچھ مری مٹی میں بغاوت بھی بہت تھی

ایک اور شاعر کے بقول:

؎ کبھی تو چھین لوں گا میں ردائے ناموری جو حصہ غیر کے قبضے میں ہے وہ میرا ہے

ایک لمحے کے لیے اس کا دل چاہا کہ وہ اسے نظر انداز کر کے آگے بڑھ جائے۔ وہ اس کی طرف توجہ نہیں دینا چاہتا تھا۔ وہ کسی بھی انگریز کے ساتھ کوئی تعلق نہیں رکھنا چاہتا تھا۔ وہ کسی ظالم کو اپنے تانگے پر سوار نہیں کرنا چاہتا تھا۔ قریب تھا کہ وہ اسے نظر انداز کر کے نکل جاتا لیکن اچانک ایک عملی سوچ اس کے ذہن میں آئی۔ اس نے نئے قانون کی خوشی میں جو کلغی خریدی تھی اس پر اس کے ساڑھے چودہ آنے خرچ ہو چکے تھے۔ وہ رقم بھی اس کی محنت کی کمائی تھی جو وہ اتنی آسانی سے گنوا چکا تھا۔ اس نے سوچا کہ اگر وہ اس گورے کو تانگے میں بٹھا لے تو اچھا کرایہ وصول کر سکتا ہے۔ اس طرح اس نے کلغی پر جو رقم ضائع کی تھی اس نقصان کو بھی پورا کیا جا سکتا ہے۔ اس خیال سے اس کا غصہ کچھ کم ہو گیا۔ اس نے اپنے جذبات کو دبایا اور گورے کو اپنے تانگے پر سوار کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

یہ واقعہ استاد منگو کی ذہنی کشمکش کو ظاہر کرتا ہے۔ وہ جذباتی طور پر غلامی کے خلاف تھا اور انگریزوں سے نفرت کرتا تھا، لیکن حقیقت یہ تھی کہ زندگی گزارنے کے لیے اسے روزی روٹی کی بھی ضرورت تھی۔ ایک طرف اس کی نفرت اور بغاوت کا جذبہ تھا تو دوسری طرف اس کی معاشی مجبوری تھی۔ وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ نفرت اور غصے سے اس کے مسائل حل نہیں ہوں گے۔ اسے عملی طور پر بھی زندگی کے تقاضے پورے کرنے ہوں گے۔ یہی وہ حقیقت تھی جو غلام ہندوستان کے ہر عام آدمی کی مجبوری تھی۔ لوگ دل میں انگریزوں کے خلاف غصہ رکھتے تھے لیکن وہ اپنے روزمرہ مسائل کے ہاتھوں مجبور بھی تھے۔ اسی لیے وہ اپنے ذاتی احساسات کو وقتی

طور پر دبا کر مالی فائدے کو ترجیح دیتے تھے۔

سفر کے ساتھ سفر کے نئے مسائل تھے　　گھروں کا ذکر تو رستے میں چھوٹ جاتا تھا　　(وسیم بریلوی)

عبارت نمبر 20

اس سوال میں بلا کا طنزیہ انداز تھا، صاحب بہادر کہتے وقت اس کا اوپر کا مونچھوں بھرا ہونٹ نیچے کی طرف کھنچ گیا اور پاس ہی گال کے اس طرف جو مدھم سی لکیر ناک کے نتھنے سے ٹھوڑی کے بالائی حصے تک چلی آرہی تھی، ایک لرزش کے ساتھ گہری ہوگئی، گویا کسی نے نوکیلے چاقو سے شیشم کی سانولی لکڑی میں دھاری ڈال دی ہے۔ اس کا سارا چہرہ ہنس رہا تھا اور اپنے اندر اس نے اس ''گورے'' کو سینے کی آگ میں جلا کر بھسم کر ڈالا تھا۔

سیاق و سباق

تشریح طلب عبارت سے پہلے مصنف کہتے ہیں کہ استاد منگو نئے قانون کا خواہش مند تھا، تاکہ انگریزوں سے چھٹکارا مل سکے۔ جب وہ اپنی ایک سواری سے نئے قانون کے نفاذ کی خبر سنتا ہے تو بے حد خوش ہو جاتا ہے۔ اس کے جسم میں خوشی کی لہر دوڑ جاتی ہے۔ نئے قانون کا سن کر وہ پُر اُمید ہو جاتا ہے اور یکم اپریل کا انتظار کرنے لگتا ہے۔ آخر کار یکم اپریل آجاتی ہے۔ وہ نیا قانون دیکھنے کے لیے گھر سے نکلتا ہے لیکن اُسے کوئی تبدیلی نظر نہیں آتی۔

تشریح طلب عبارت کے بعد مصنف کہتے ہیں کہ استاد منگو کا چھاؤنی میں ایک انگریز سے جھگڑا ہو جاتا ہے۔ وہ انگریز کو دھڑا دھڑ پیٹتا ہے اور کہتا ہے کہ یکم اپریل آگئی، اب ہمارا راج ہے۔ پولیس منگو کو گرفتار کر کے لے جاتی ہے۔ وہ راستے میں نیا قانون، نیا قانون چلاتا رہتا ہے۔ لیکن قانون تو وہی پرانا ہوتا ہے۔ اسے حوالات میں قید کر دیا جاتا ہے۔

تشریح

سعادت حسن منٹو اردو کے عظیم افسانہ نگار تھے۔ انھوں نے سماجی سچائیوں کو جرأت مندانہ انداز میں پیش کیا ہے۔ ان کا اندازِ تحریر سادہ مگر اثر انگیز ہے۔ ان کے افسانے ''نیا قانون'' میں استحصالی نظام پر گہری طنز ہے۔ اس کہانی میں استاد منگو کا کردار انگریز راج کے خلاف ایک عام ہندوستانی کے جذبات کی عکاسی کرتا ہے۔

مصنف کہتے ہیں کہ استاد منگو انارکلی سے نکل کر مال روڈ کی طرف مڑ گیا۔ وہاں اسے چھاؤنی جانے والی ایک سواری مل گئی۔ وہ اپنی سوچوں میں گم چھاؤنی کی طرف جا رہا تھا کہ سڑک کنارے کھڑے ایک گورے نے اسے اپنی طرف بلایا۔ گورے کو دیکھ کر استاد منگو کو بہت غصہ آگیا۔ وہ انگریزوں کی حاکمانہ سوچ اور ان کے ظلم و ستم سے سخت نالاں تھا۔ ایک لمحے کے لیے اس کے دل میں خیال آیا کہ وہ اس گورے کو نظر انداز کر کے آگے بڑھ جائے۔ لیکن پھر ایک اور خیال آیا کہ اگر وہ اسے بٹھا لے تو زیادہ کرایہ وصول کر سکتا ہے۔ اس نے گورے کو تانگے میں سوار کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

جب اس نے تانگے کو مہارت سے موڑ کر گورے کے قریب روکا تو اس کا انداز معمولی تانگے والے جیسا نہ تھا۔ وہ جان بوجھ کر طنزیہ انداز میں بولا ''صاحب بہادر، کہاں جانا مانگتا'' اس کے لہجے میں ایک چھپی ہوئی تلخی تھی، ایک ایسی طنز تھی جو شاید گورا سمجھ نہ پایا ہو۔ لیکن استاد منگو کے دل کو ایک عجیب سی تسکین دے رہا تھا۔ اس نے ''صاحب بہادر'' کہتے وقت اپنے ہونٹوں کو ایک مخصوص انداز میں کھینچ لیا، جس سے اس کا چہرہ کچھ عجیب سا لگنے لگا۔ اس کے گال کی وہ لکیر جو ناک کے نتھنے سے لے کر ٹھوڑی تک ہلکی سی ابھری ہوئی تھی، ایک دم گہری ہوگئی۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے کسی نے لکڑی پر چاقو سے کوئی نشان بنا دیا ہو۔ اس کے چہرے پر ایک زبردست طنزیہ مسکراہٹ تھی۔ اندر ہی اندر وہ اس گورے کو اپنی نفرت کی آگ میں جھلسا رہا تھا۔

زوروں پہ سلیم اب کے ہے نفرت کا بہاؤ　　جو بچ کے نکل آئے گا تیراک وہی ہے
(سلیم کوثر)

parho.pk

دراصل یہ استاد منگو کے اندر چھپی ہوئی نفرت کا اظہار تھا۔ اسے احساس تھا کہ انگریزوں نے ہندوستانیوں کو اپنا غلام بنا رکھا ہے۔ وہ عرصے سے انگریزوں کے ظلم و جبر کو برداشت کر رہا تھا۔ وہ ایک عام تانگے والا تھا جو بظاہر کچھ نہیں کر سکتا تھا۔ وہ صرف دوستوں میں بیٹھ کر انگریزوں کو بُرا بھلا کہہ سکتا تھا۔ وہ کھل کر بغاوت نہیں کر سکتا تھا۔ نیا قانون نافذ ہونے سے منگو کو اپنی طاقت اور اہمیت کا احساس ہوا۔ اس کا خیال تھا کہ نیا قانون نافذ ہونے سے انگریز یہاں سے چلے جائیں گے اور ہندوستان آزاد ہو جائے گا۔ یکم اپریل تھی اور نیا قانون نافذ ہو چکا تھا۔ اس کا مطلب یہ تھا ہندوستان کو ہمیشہ کے لیے انگریزوں کے ظلم سے نجات مل جائے گی۔ اسے شہر میں نئے قانون کے نفاذ سے کوئی تبدیلی نظر نہیں آئی تھی۔ پھر بھی گورے کو دیکھ کر اسے محسوس ہوا کہ اب وہ آزاد ہو چکا ہے اور انگریز اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکیں گے۔ آج اس کے پاس موقع تھا کہ وہ اپنے انداز سے گورے کی تحقیر کرتا۔ چناں چہ اس نے موقع ضائع نہیں کیا اور اپنی نفرت کا کھل کر اظہار کیا۔ وہ جانتا تھا کہ گورا شاید اس کے لہجے کی کاٹ کو نہ سمجھ سکے مگر وہ خود کو تسلی دینا چاہتا تھا۔ اس کا طنزیہ لہجہ، اس کی کھنچی ہوئی مونچھیں، اس کے چہرے کی سختی سب کچھ اس کی اندرونی نفرت کی عکاسی کر رہا تھا۔

استاد منگو کا خیال تھا کہ نیا قانون نافذ ہو چکا ہے۔ وہ صبح سے نئے قانون کے اثرات دیکھنے کے لیے بے تاب تھا۔ اس نے گلیوں، سڑکوں اور بازاروں میں دیکھا لیکن اسے کہیں کوئی تبدیلی نظر نہیں آئی۔ اس لیے اس کے دل میں الجھن اور بے چینی پیدا ہو گئی۔ اگرچہ وہ اپنی امید سے مکمل طور پر دستبردار نہیں ہوا تھا مگر وہ کشمکش میں مبتلا تھا۔ اسے انگریزوں سے ویسے ہی نفرت تھی لیکن الجھن اور بے تابی میں اسے گورے پر زیادہ غصہ آ گیا۔ اس نے اپنے لہجے اور اپنے چہرے کے بگاڑ سے اپنی اندرونی نفرت کا کھل کر اظہار کیا۔ اس سے اس کو ذرا تسکین ملی اور اس کے دل کا بوجھ ہلکا ہو گیا۔

~ کاغذ یہ اُگل رہا ہے نفرت کم ظرف ادیب ہو گیا ہے

(سیف زلفی)

یہ ایک عام تانگے والے کی نہیں بلکہ ایک غلام ہندوستانی کی کہانی ہے۔ وہ عام ہندوستانی جو انگریزوں کی ظالمانہ حکومت سے بیزار ہے اور آزادی کے خواب دیکھ رہا ہے۔ وہ اپنی بے بسی کے باوجود کسی نہ کسی طریقے سے اپنی نفرت کا اظہار کرنا چاہتا ہے۔ استاد منگو کی اس معمولی سی حرکت میں دراصل پورے ہندوستان کے کروڑوں افراد کے جذبات کی جھلک ہے۔ جو غلامی کے بوجھ تلے دبے ہوئے تھے اور کسی نہ کسی شکل میں اس سے نجات حاصل کرنا چاہتے تھے۔

~ کبھی تو چھین لوں گا میں ردائے ناموری جو حصہ غیر کے قبضے میں ہے وہ میرا ہے

اس عبارت میں صرف منگو کے کردار کو دیکھا جائے تو ایک دل چسپ پہلو یہ سامنے آتا ہے کہ وہ جسمانی طور پر بے بس ہے۔ گورے کے خلاف اس کا دل نفرت سے بھرا ہوا تھا مگر وہ نہ تو اس پر ہاتھ اٹھا سکتا تھا اور نہ ہی اس کے خلاف کچھ کر سکتا تھا۔ وہ غلام ہندوستان کا ایک معمولی آدمی تھا اور انگریز ظالم حکمران تھے۔ لیکن اس بے بسی کے باوجود اس نے اپنے جذبات کے اظہار کا کوئی نہ کوئی طریقہ نکال لیا۔ اس نے ایک ایسا انداز اپنایا جس سے اس کی نفرت، غصہ اور بغاوت عیاں تھی۔ وہ اپنے چہرے کے تاثرات، اپنی مسکراہٹ، اپنی مونچھوں کے ہلنے اور اپنے لہجے کے طنز سے گورے کو کم تر اور حقیر ثابت کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔

عبارت نمبر 21

استاد منگو جو اپنے دائیں ہاتھ سے باگ کے بل کھول کر تانگے پر سے نیچے اترنے والا تھا اپنے سامنے کھڑے گورے کو یوں دیکھ رہا تھا گویا وہ اس کے وجود کے ذرے ذرے کو اپنی نگاہوں سے چبا رہا ہے اور گورا کچھ اس طرح اپنی نیلی پتلون پر سے غیر مرئی چیزیں جھاڑ رہا ہے گویا وہ استاد منگو کے اس حملے سے اپنے وجود کے کچھ حصے کو محفوظ رکھنے کی کوشش کر رہا ہے۔

گورے نے سگریٹ کا دھواں نگلتے ہوئے کہا: ''جانا مانگتا یا پھر گڑبڑ کرے گا؟''

''وہی ہے۔'' یہ الفاظ استاد منگو کے ذہن میں پیدا ہوئے اور اس کی چوڑی چھاتی کے اندر ناچنے لگے۔

parho.pk

سیاق و سباق

تشریح طلب عبارت سے پہلے مصنف کہتے ہیں کہ منگو کوچوان ان پڑھ ہونے کے باوجود اڈے میں سب سے زیادہ عقل مند سمجھا جاتا تھا کیوں کہ اسے دنیا کے تمام معاملات کا علم تھا اور ان معلومات کا واحد ذریعہ اس کی سواریاں تھیں۔ منگو کو انگریزوں سے بہت نفرت تھی۔ اس لیے وہ ان سے پیچھا چھڑوانا چاہتا تھا۔ جب منگو نئے قانون کی خبر سنتا ہے تو اس کے دل میں یہ امید جاگ اٹھتی ہے کہ اب انگریز ہندوستان چھوڑ کر چلے جائیں گے۔ وہ یکم اپریل کو نیا قانون دیکھنے کے لیے صبح سویرے گھر سے باہر نکلتا ہے لیکن سب کچھ پہلے جیسا پرانا ہوتا ہے۔

تشریح طلب عبارت کے بعد مصنف کہتے ہیں کہ چھاؤنی میں منگو کی لڑائی ایک انگریز سے ہو جاتی ہے۔ وہ دل کھول کر انگریز کو مارتا ہے۔ پولیس اسے تھانے لے جاتی ہے۔ وہ نیا قانون نیا قانون چلاتا رہتا ہے لیکن قانون تو وہی پرانا ہوتا ہے اور اسے حوالات میں بند کر دیا جاتا ہے۔

تشریح

سعادت حسن منٹو اردو کے عظیم افسانہ نگار تھے۔ انھوں نے سماجی سچائیوں کو جرأت مندانہ انداز میں پیش کیا ہے۔ ان کا اندازِ تحریر سادہ مگر اثر انگیز ہے۔ ان کے افسانے ''نیا قانون'' میں استحصالی نظام پر گہری طنز ہے۔ اس کہانی میں استاد منگو کا کردار انگریز راج کے خلاف ایک عام ہندوستانی کے جذبات کی عکاسی کرتا ہے۔

استاد منگو ایک عام تانگے والا تھا مگر اس کے دل میں غلامی کا شدید احساس چھپا ہوا تھا۔ وہ برسوں سے انگریزوں کے رویے اور ان کی حاکمانہ سوچ سے نالاں تھا۔ وہ اپنی روزمرہ زندگی میں انگریزوں کے خلاف نفرت کا اظہار کرتا رہتا تھا۔ وہ انگریزوں کو ظالم سمجھتا تھا کیوں کہ وہ ہندوستانیوں کو کمتر اور اپنا غلام سمجھتے تھے۔ جب اس نے نئے قانون کے نفاذ کی خبر سنی تو اس کے دل میں ایک خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ اسے لگا کہ شاید اب کوئی بڑی تبدیلی آنے والی ہے۔ اس کا خیال تھا کہ نئے قانون کے نفاذ سے انگریز کمزور پڑ گئے ہیں اور ہندوستان پر ان کی گرفت ختم ہو گئی ہے۔

مبارک باد اس کو دے رہا سارا جہاں ہوگا وہ دن آنے کو ہے آزاد جب ہندوستاں ہوگا

استاد منگو یکم اپریل کی صبح بڑے جوش کے ساتھ اپنے تانگے پر نکلا تا کہ اپنی آنکھوں سے دیکھ سکے کہ نیا قانون کیا تبدیلی لایا ہے۔ وہ مختلف جگہوں پر گیا مگر اسے ہر جگہ وہی پرانے حالات نظر آئے۔ لوگ اپنے اپنے کاموں میں مصروف تھے۔ کسی کے چہرے پر حیرت یا خوشی کے آثار تک نہیں تھے۔ اسے بہت مایوسی ہوئی کہ کچھ بھی نہیں بدلا تھا۔ اس کے اندر بے چینی بڑھنے لگی۔ جب وہ مال روڈ پر جا رہا تھا تو اسے چھاؤنی جانے والی ایک سواری مل گئی۔ اس نے سوچا کہ چھاؤنی میں نئے قانون کے اثرات دیکھے جا سکیں گے۔ چھاؤنی کی طرف جاتے ہوئے وہ سوچ رہا تھا کہ نئے قانون کے بعد اب تانگوں کے نمبر کیسے ملیں گے۔ وہ انھیں سوچوں میں گم تھا کہ اسے سڑک کنارے ایک گورا نظر آیا جو اسے ہاتھ کے اشارے سے اپنی طرف بلا رہا تھا۔ استاد منگو نے جیسے ہی گورے کو دیکھا، اس کے اندر نفرت کے جذبات جاگ اٹھے۔ پہلے تو اس نے سوچا کہ اسے نظر انداز کر کے آگے بڑھ جائے۔ مگر پھر اس نے فیصلہ کیا کہ اسے تانگے پر بٹھا لے لیکن کرایہ زیادہ وصول کرے۔

وہ تانگہ موڑ کر گورے کے پاس پہنچا اور طنزیہ لہجے میں اسے کہا: ''صاحب بہادر، کہاں جانا مانگتا؟'' یہ سوال عام سوال نہ تھا بلکہ اس کے اندر طنز اور بے حد نفرت چھپی ہوئی تھی۔ وہ ہر گورے سے نفرت محسوس کرتا تھا۔ گورا اس کے انداز کو شاید سمجھ نہ پایا مگر استاد منگو کے دل کو تسکین ملی کہ اس نے اپنی برتری کا اظہار کر دیا تھا۔

جیسے ہی اس نے گورے کو غور سے دیکھا، اس کے ذہن میں جھٹکا سا لگا۔ یہ وہی گورا تھا جس سے پچھلے سال اس کی جھڑپ ہوئی تھی۔ گورے نے اس کے ساتھ بہت بُرا سلوک کیا تھا مگر اس وقت منگو کچھ بھی نہیں کر سکتا تھا۔ وہ بے بس تھا کیوں کہ

انگریز طاقت ور تھے۔ حکومت ان کی تھی اور ہندوستانی ان کے غلام تھے۔ وہ چاہ کر بھی اپنا غصہ نہیں نکال سکا تھا۔ مگر آج کی تاریخ مختلف تھی۔ آج یکم اپریل تھی اور نیا قانون نافذ ہو چکا تھا۔ اسے لگتا تھا کہ نئے قانون کے نفاذ سے انگریزوں کا اقتدار ختم ہو چکا تھا۔ اس لیے اب وہ اس گورے سے بدلہ لے سکتا تھا۔

اس نے گھوڑے کی باگ اپنے دائیں ہاتھ میں بل دے کر تھام رکھی تھی، گورے کو پہچان کر وہ اس سے انتقام لینا چاہتا تھا۔ وہ باگ کے بل کھول کر تانگے سے نیچے اترنے لگا۔ اس کے چہرے پر شدید نفرت کے آثار تھے۔ اس کی نگاہوں میں غصہ تھا۔ وہ گورے کو اس طرح دیکھ رہا تھا۔ جیسے اسے اپنی نظروں سے جلا ڈالے گا۔ وہ گورے کو ایک دشمن کے طور پر دیکھ رہا تھا۔ وہ اسے اپنی نگاہوں سے چبانے والا تھا۔ اس کے اندر انتقام کی آگ ایسے بھڑک رہی تھی کہ وہ اس گورے کے وجود کے ذرے ذرے کو مٹا دے گا۔

پڑے ہیں نفرت کے بیج دل میں، برس رہا ہے لہو کا ساون
ہری بھری ہیں سروں کی فصلیں، بدن پہ زخموں کے گل کھلے ہیں (ہارون فراز)

دوسری طرف گورا بھی کچھ عجیب سارویہ اختیار کیے کھڑا تھا۔ وہ اپنی نیلی پتلون سے کوئی غیر مرئی چیزیں جھاڑ رہا تھا۔ ایسا لگتا تھا جیسے استاد منگو کے طنزیہ جملے نے اس کے وجود کو کسی طرح آلودہ کر دیا ہو۔ اس نے سگریٹ کا ایک لمبا کش لیا، دھواں اندر نگلا اور بڑی بے پروائی سے کہا: ''جانا مانگتا یا پھر گڑبڑ کرے گا؟''

یہ جملہ سن کر استاد منگو کے اندر ایک زبردست طوفان اٹھا۔ اسے لگا کہ یہ گورا ابھی بھی طاقت کے زعم میں مبتلا ہے۔ وہ ابھی بھی ہندوستانیوں کو کمتر اور اپنا غلام سمجھتا ہے۔ اس کے ذہن میں ''وہی ہے'' کے الفاظ گونجنے لگے۔ یعنی یہ وہی گورا ہے جس نے پچھلے سال اس کی بے عزتی کی تھی۔ یہ وہی گورا ہے جس کے سامنے وہ بے بس تھا اور کچھ نہیں کر سکا تھا۔ آج وہ اس گورے کو جواب دینا چاہتا تھا۔ آج وہ اسے بتانا چاہتا تھا کہ ہندوستانی جاگ چکے ہیں، اب وہ انگریزوں سے نہیں ڈرتے۔ استاد منگو کی چوڑی چھاتی کے اندر جذبات کا ایک طوفان تھا۔ یہ دراصل استاد منگو کے اندر غلامی کی نفرت کی انتہا تھی۔ وہ ایک عام تانگے والا تھا مگر اس کے دل میں ایک باغی چھپا ہوا تھا۔ ایک معمولی شخص ہونے کے باوجود وہ خود کو ہندوستان کا نمائندہ سمجھ رہا تھا۔ نیا قانون نافذ ہو چکا تھا اور اسے یقین تھا کہ اب وہ ایک غلام ہندوستانی نہیں رہا۔ وہ ایک آزاد ہندوستان کا شہری بن کر اس گورے کے سامنے کھڑا تھا۔ نئے قانون کی بدولت وہ اس گورے کو اپنی طاقت کا احساس دلا رہا تھا۔

عبارت نمبر 22

''وہی ہے۔'' اس نے یہ الفاظ اپنے منھ کے اندر ہی اندر دہرائے اور ساتھ ہی اسے پورا یقین ہو گیا کہ وہ گورا جو اس کے سامنے کھڑا تھا وہی ہے جس سے پچھلے برس اس کی جھڑپ ہوئی تھی اور خواہ مخواہ کے جھگڑے میں جس کا باعث گورے کے دماغ میں چڑھا ہوا نشہ تھا۔ اسے طوعاً و کرہاً بہت سی باتیں سہنا پڑی تھیں۔ استاد منگو نے گورے کا دماغ درست کر دیا ہوتا بلکہ اس کے پرزے اڑا دیے ہوتے مگر وہ کسی خاص مصلحت کی بنا پر خاموش ہو گیا تھا۔ اس کو معلوم تھا کہ اس قسم کے جھگڑوں میں عدالت کا نزلہ عام طور پر کوچوانوں ہی پر گرتا ہے۔ استاد منگو نے پچھلے برس کی لڑائی اور پہلی اپریل کے نئے قانون پر غور کرتے ہوئے گورے سے کہا۔ ''کہاں جانا مانگتا ہے؟''

سیاق و سباق

تشریح طلب عبارت سے پہلے مصنف کہتے ہیں کہ منگو کوچوان ان پڑھ ہونے کے باوجود اپنے اڈے میں سب سے زیادہ عقل مند سمجھا جاتا تھا۔ کیوں کہ اسے دنیا کے تمام معاملات کا علم تھا۔ ان معلومات کا واحد ذریعہ اس کی سواریاں تھیں۔ منگو کو انگریزوں سے سخت نفرت تھی اور وہ ان سے آزادی چاہتا تھا۔ لہٰذا جب وہ اپنی سواریوں سے نئے قانون کی خبر سنتا ہے تو بے حد خوش ہو جاتا ہے۔ یکم اپریل کو وہ نیا قانون دیکھنے کے لیے گھر سے باہر نکل جاتا ہے۔ چھاؤنی میں اسے ایک انگریز نظر آتا ہے، جسے دیکھ کر اس کے غصے اور نفرت میں اضافہ ہو جاتا ہے۔

تشریح طلب عبارت کے بعد مصنف بتاتے ہیں کہ منگو اور انگریز کی لڑائی ہو جاتی ہے۔ منگو اسے بُری طرح مارتا ہے۔ جس کی وجہ سے پولیس اسے اٹھا کر لے جاتی ہے۔ وہ نیا قانون نیا قانون چلاّ تا رہتا ہے۔ لیکن قانون تو وہی پرانا تھا، اس لیے اسے حوالات میں بند کر دیا جاتا ہے۔

تشریح

سعادت حسن منٹو اردو کے عظیم افسانہ نگار تھے۔ انھوں نے سماجی سچائیوں کو جرأت مندانہ انداز میں پیش کیا ہے۔ ان کا اندازِ تحریر سادہ مگر اثر انگیز ہے۔ ان کے افسانے ''نیا قانون'' میں استحصالی نظام پر گہری طنز ہے۔ اس کہانی میں استاد منگو کا کردار انگریز راج کے خلاف ایک عام ہندوستانی کے جذبات کی عکاسی کرتا ہے۔

مصنف کہتے ہیں کہ استاد منگو انار کلی سے نکل کر مال روڈ پر آیا تو اسے چھاؤنی جانے والی ایک سواری مل گئی۔ اس نے سوچا کہ چھاؤنی میں نئے قانون کی وجہ سے ہونے والی تبدیلی ضرور دیکھی جاسکتی ہے۔ اس لیے وہ کرایہ طے کر کے سواری کو لے کر چھاؤنی جا رہا تھا۔ وہ نئے قانون کے بارے میں سوچ رہا تھا کہ ایک گورے نے اسے ہاتھ کے اشارے سے اپنی طرف بلایا۔ منگو کو انگریزوں سے نفرت تھی اس لیے اس نے گورے کو نظر انداز کر کے آگے بڑھ جانے کا سوچا۔ پھر اسے خیال آیا کہ اس گورے سے زیادہ پیسے وصول کر کے اپنا مالی نقصان کم کیا جاسکتا ہے۔ یہ سوچ کر وہ اس گورے کے پاس پہنچا اور بڑے طنزیہ انداز میں اس سے پوچھا ''صاحب بہادر، کہاں جانا مانگتا''؟ اس کے لہجے میں طنز اور انگریزوں کے لیے نفرت نظر آ رہی تھی۔ وہ تانگے سے اتر کر بڑے رعب سے گورے کے سامنے کھڑا ہوا۔

تشریح طلب عبارت میں مصنف کہتے ہیں کہ استاد منگو نے جب گورے کی طرف دیکھا تو اچانک اس کے دل میں ایک عجیب سا احساس پیدا ہوا۔ اسے لگا کہ یہ چہرہ کہیں دیکھا ہوا ہے۔ اس کی شکل پہچان کر کسی پرانی یاد نے اس کے ذہن کے دروازے پر دستک دی۔ اس نے اپنے منہ کے اندر ہی اندر الفاظ دہرائے ''وہی ہے''۔ اس پر حقیقت پوری طرح واضح ہو گئی تھی۔ یہ وہی گورا تھا جس سے پچھلے سال اس کی جھڑپ ہوئی تھی۔ وہی بدتمیز، مغرور انگریز جس نے شراب کے نشے میں دھت ہو کر اس کے ساتھ بدتمیزی کی تھی۔ اس وقت استاد منگو کچھ نہ کر سکا تھا۔ وہ اپنی بے بسی کے گھونٹ پی کر رہ گیا تھا۔

؎ مانا کہ کسی ظلم کی حمایت نہیں کرتے ہم لوگ مگر کھل کے بغاوت نہیں کرتے
(عاصم واسطی)

اس لڑائی کا تصور کرتے ہی استاد منگو کا خون کھولنے لگا۔ اس گورے نے اس کے ساتھ بہت زیادتی کی تھی۔ اس وقت استاد منگو کا جی چاہا تھا کہ اس گورے کو سبق سکھا کر اس کا دماغ درست کر دے لیکن وہ ایسا نہیں کر سکا تھا۔ وہ اس گورے کا منہ توڑ سکتا تھا لیکن وہ خاموش ہو گیا تھا۔ اس خاموشی کی کئی وجوہات تھیں۔ پہلی بات تو یہ تھی کہ وہ جانتا تھا کہ انگریزوں کی حکومت تھی اور قانون ان کے حق میں تھا۔ ایک ہندوستانی کی کسی انگریز کے خلاف شنوائی نہیں ہو سکتی تھی۔ استاد منگو نے کئی بار دیکھا تھا کہ جب کوئی گورا کسی ہندوستانی کے ساتھ بدتمیزی کرتا، مار پیٹ کرتا یا اس پر بے جا ظلم کرتا تھا تو قصوروار ہمیشہ ہندوستانی کو ہی ٹھہرایا جاتا تھا۔ اگر کوئی مقدمہ کسی عدالت میں جاتا تو وہاں بھی قانون ہمیشہ گورے کے حق میں جھکتا تھا۔ عدالت سے بھی کسی نہ کسی بہانے سزا ہمیشہ ہندوستانی کو ہی ملتی تھی۔ یہ کھلا ظلم تھا مگر کوئی کچھ نہیں کر سکتا تھا۔

؎ کچھ ظلم و ستم سہنے کی عادت بھی ہے ہم کو کچھ یہ ہے کہ دربار میں سنوائی بھی کم ہے
(ضیا ضمیر)

ایک اور شاعر کے بقول:

؎ ظلم کرنے کی جو ظالم کو اجازت ہوگی جان لوگوں کی نہ ہرگز بھی سلامت ہوگی

انگریز ہندوستان میں حکومت کرتے تھے۔ ہندوستانیوں کی فلاح و بہبود کے کام کرنا ان کی ذمہ داری تھی۔ اسی طرح ان کے بنیادی حقوق کی حفاظت بھی ان کی اولین ذمہ داری تھی۔ ان حقوق میں عدل و انصاف کا حصول پہلا حق تھا۔ لیکن انگریزوں نے

مصنف کہتے ہیں کہ استاد منگو صبح سویرے نئے قانون سے آنے والی تبدیلی کو اپنی آنکھوں سے دیکھنے کے لیے نکل کھڑا ہوا۔ وہ گورنمنٹ کالج، انارکلی بازار اور مال روڈ سے گزرا، ہر طرف اسے وہی پرانے حالات نظر آئے۔ ہر جگہ لوگ اپنے معمول کے کاموں میں مصروف تھے۔ اس کا جوش ماند پڑنے لگا۔ منگو نے چھاؤنی پہنچ کر سواری کو اس کی منزلِ مقصود پر اُتار دیا تھا اور تانگے کی پچھلی نشست کے گدے پر اطمینان سے بیٹھ کر باگیں ڈھیلی چھوڑ دیں۔ گھوڑے نے دھیمی چال چلنی شروع کی اور منگو کے ذہن میں بھی نئے قانون کے متعلق آہستہ آہستہ خیالات داخل ہونا شروع ہو گئے۔ اسے سڑک کے کنارے ایک گورا نظر آیا جو اسے ہاتھ کے اشارے سے اپنی طرف بُلا رہا تھا۔ استاد منگو اس کے قریب گیا تو دیکھا کہ یہ وہی گورا تھا جس کے ساتھ اس کی پچھلے سال لڑائی ہو چکی تھی۔

پچھلے سال جب استاد منگو کی اس گورے سے جھڑپ ہوئی تھی تو منگو مصلحت کے تحت خاموش ہو گیا تھا۔ اسے معلوم تھا کہ کسی گورے کے ساتھ لڑائی میں عدالت ہمیشہ کوچوان کو مجرم قرار دے کر سزا دیتی ہے۔ مگر آج یکم اپریل تھی۔ نیا قانون نافذ ہو چکا تھا اس لیے وہ خود کو آزاد سمجھ رہا تھا۔ اب وہ اس گورے کو سبق سکھا سکتا تھا۔ گورے نے آج پھر اسے نیچا دکھانے کی کوشش کی تھی اور دو تین بار اپنی چھڑی سے اس کی ران کو چھوا تھا۔ استاد منگو کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو چکا تھا۔ گورا اسے پہلے کی طرح دبانے کی کوشش کر رہا تھا مگر وہ جھکنے کے لیے تیار نہیں تھا۔

گورے نے اسے تانگے سے نیچے اترنے کو کہا۔ استاد منگو کی آنکھوں میں شدید غصہ تھا۔ اس نے گورے کی طرف دیکھا جیسے وہ اپنی آنکھوں سے ہی اسے پیس ڈالے گا۔ اچانک اس کا گھونسا اٹھا اور گورے کی ٹھوڑی کے نیچے جا لگا۔ گورا سنبھل نہ سکا اور دھڑام سے نیچے گر گیا۔ استاد منگو نے اس پر حملہ کر دیا۔ اس نے گورے پر خوب لاتیں اور گھونسے برسائے۔ وہ برسوں کی غلامی اور ذلت کا بدلہ لے رہا تھا۔ اس کے ذہن میں یہی چل رہا تھا کہ اب نیا قانون آ چکا ہے اور وہ انگریزوں سے ظلم کا بدلہ لے سکتا ہے۔ وہ بار بار کہہ رہا تھا:

''پہلی اپریل کو بھی وہی اکڑفوں! پہلی اپریل کو بھی وہی اکڑفوں! اب ہمارا راج ہے!'' یہ الفاظ اس کے جذبات کی شدت کو ظاہر کرتے ہیں۔ اس کے خیال میں نئے قانون کے آنے سے انگریزوں کی اکڑفوں نکل چکی ہے اور وہ اپنا سر پیٹ پیٹ کہہ رہے ہوں گے۔

ایک صاحب کہتے تھے سر پیٹ یوں　　نکل گئی مائی لارڈ ساری اکڑفوں

وہ بھی زمانہ تھا کہ دنیا میں دھاک تھی　　شہرت ہماری دنیا میں شہرہ آفاق تھی

گورے نے خود کو بچانے کی بہت کوشش کی مگر استاد منگو دیوانہ وار اسے پیٹ رہا تھا۔ گورا چلّانے لگا اور مدد کے لیے پکارنے لگا۔ استاد منگو کے جوش میں مزید اضافہ ہو گیا۔ وہ اس موقع کو ہاتھ سے جانے نہیں دینا چاہتا تھا۔ گورے کی چیخ پکار سن کر لوگوں کا ہجوم اکٹھا ہو گیا۔ جلد ہی پولیس کے دو سپاہی بھی وہاں پہنچ گئے۔ انھوں نے بڑی مشکل سے استاد منگو کو گورے سے الگ کیا۔ اس کی سانس پھولی ہوئی تھی اور اس کی چھاتی زور زور سے اوپر نیچے ہو رہی تھی۔ غصے کی شدت سے اس کے منہ سے جھاگ بہہ رہا تھا۔ مگر اس کی آنکھوں میں ایک فاتحانہ چمک تھی۔ مجمع بھی اس کی جرأت پر حیران تھا۔ اپنی مسکراتی ہوئی آنکھوں سے حیرت زدہ مجمع کی طرف دیکھ کر وہ بلند آواز میں کہنے لگا: ''وہ دن گزر گئے جب خلیل خاں فاختہ اڑایا کرتے تھے۔ اب نیا قانون ہے میاں، نیا قانون!''

جوش اور غصے سے وہ ہانپ رہا تھا۔ لوگ حیران تھے اور منگو ایک فاتح کی طرح کھڑا تھا۔ گورا بھی استاد منگو کی دیوانگی پر حیران تھا۔ اسے ''پہلی اپریل'' اور ''نیا قانون'' کی کوئی سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ منگو کیا کہنا چاہتا تھا۔ وہ ایک کوچوان سے بُری طرح پٹ چکا تھا اور شدید پریشان تھا۔ گورے کو کسی کوچوان کے اس طرح کے رویے کی توقع بھی نہیں تھی۔ گورے اور لوگوں کو منگو کی باتوں کا کوئی مفہوم سمجھ نہیں آ رہا تھا۔ لیکن منگو نئے قانون کے نفاذ پر خوش تھا اور خود کو آزاد سمجھ رہا تھا۔

منگو یقین کر چکا تھا کہ اب ہندوستانی آزاد ہو چکے ہیں اور گورے کمزور ہو گئے ہیں۔ اس نے اسی خوش فہمی میں گورے سے اپنی بے عزتی کا بدلہ لے لیا تھا۔ مگر حقیقت یہ تھی کہ وہ ایک بہت بڑی غلطی کر بیٹھا تھا۔ جس قانون کو وہ اپنی آزادی سمجھ رہا تھا وہ دراصل اس کے لیے ایک نئی مصیبت بننے والا تھا۔ اسے ابھی اپنی کم علمی اور خوش فہمی کی قیمت چکانی پڑنی تھی۔

؎ قانون جیسے کھو چکا صدیوں کا اعتماد اب کون دیکھتا ہے خطا کا رُخ کدھر

(نصرت گوالیاری)

منگو کے جذبات ایک عام ہندوستانی کے جذبات کی نمائندگی کرتے ہیں۔ انگریزوں کا رویہ عام ہندوستانیوں کے ساتھ بہت بُرا تھا۔ اس لیے وہ ان سے شدید نفرت کرتے تھے۔ وہ کسی نہ کسی طرح ان سے اپنی تحقیر کا بدلہ لینا چاہتے تھے لیکن اپنی کمزوری کی وجہ سے کچھ کر نہیں سکتے تھے۔ ''نیا قانون'' ان کے لیے ایک امید کی روشنی تھا لیکن وہ ایسا نہیں تھا جیسا وہ سمجھتے تھے۔ نیا قانون ہندوستانیوں کو ان کے حقوق دینے کے لیے نہیں بلکہ ان پر انگریزوں کی گرفت مضبوط کرنے کے لیے بنایا گیا تھا۔

؎ ظلم کرنے کی جو ظالم کو اجازت ہوگی جان لوگوں کی نہ ہرگز بھی سلامت ہوگی

عبارت نمبر 25

''وہ دن گزر گئے جب خلیل خاں فاختہ اڑایا کرتے تھے۔ اب نیا قانون ہے میاں۔ نیا قانون! اور بے چارہ گورا اپنے بگڑے ہوئے چہرے کے ساتھ بے وقوفوں کی مانند کبھی استاد منگو کی طرف دیکھتا تھا اور کبھی ہجوم کی طرف۔ استاد منگو کو پولیس کے سپاہی تھانے میں لے گئے۔ راستے میں اور تھانے کے اندر کمرے میں وہ نیا قانون، نیا قانون چلاتا رہا مگر کسی نے ایک نہ سنی۔ ''نیا قانون، نیا قانون! کیا بک رہے ہو؟ قانون وہی ہے پرانا!'' اور اس کو حوالات میں بند کر دیا گیا۔

سیاق و سباق

تشریح طلب عبارت سے پہلے مصنف کہتے ہیں کہ منگو کوچوان ان پڑھ ہونے کے باوجود اپنے اڈے میں سب سے زیادہ عقل مند سمجھا جاتا تھا۔ کیوں کہ اسے دنیا کے تمام معاملات کا علم تھا۔ اس کے علم کا واحد ذریعہ اس کی سواریاں تھیں۔ منگو کو انگریزوں سے سخت نفرت تھی اس لیے وہ ان سے جان چھڑانا چاہتا تھا۔ لہٰذا جب وہ اپنی سواریوں سے نئے قانون کا سنتا ہے تو بے حد خوش ہو جاتا ہے۔ یکم اپریل کو نیا قانون دیکھنے کے لیے گھر سے باہر نکلتا ہے۔ لیکن سب کچھ پرانا ہوتا ہے۔ چھاؤنی میں اس کی لڑائی ایک انگریز سے ہو جاتی ہے اور منگو اسے بُری طرح مارتا ہے۔ پولیس کے سپاہی انگریز کو بہت مشکل سے منگو کی گرفت سے چھڑاتے ہیں۔

تشریح طلب عبارت سبق کی آخری عبارت ہے۔ لہٰذا اس کا سباق نہیں ہے۔

تشریح

سعادت حسن منٹو اردو کے عظیم افسانہ نگار تھے۔ انھوں نے سماجی سچائیوں کو جرأت مندانہ انداز میں پیش کیا ہے۔ ان کا اندازِ تحریر سادہ مگر اثر انگیز ہے۔ ان کے افسانے ''نیا قانون'' میں استحصالی نظام پر گہری طنز ہے۔ اس کہانی میں استاد منگو کا کردار انگریز راج کے خلاف ایک عام ہندوستانی کے جذبات کی عکاسی کرتا ہے۔

مصنف کہتے ہیں کہ استاد منگو اپنے تانگے پر ایک سواری بٹھا کر چھاؤنی کی طرف جا رہا تھا۔ سڑک پر ایک گورے نے اسے ہاتھ کے اشارے سے اپنی طرف بلایا۔ منگو اس کے قریب گیا تو دیکھا کہ اس گورے سے پچھلے سال اس کی جھڑپ ہو چکی تھی۔ منگو نے اس کے ساتھ طنزیہ انداز میں بات کی۔ اس کے دل میں دبی ہوئی نفرت ایک دم بھڑک اُٹھی تھی۔ وہ پہلے اسے نظر انداز کرنا چاہتا تھا مگر پھر اسے یاد آیا کہ نئے قانون کے تحت اب انگریزوں کی وہ حیثیت نہیں رہی تھی جو پہلے تھی۔ استاد منگو کا طنزیہ انداز دیکھ کر گورے نے بھی اسے نیچا دکھانے کی کوشش کی۔ اس نے اپنی چھڑی سے منگو کی ران کو چھو کر تانگے سے نیچے اترنے کو کہا۔ اس پر منگو کا غصہ بے قابو ہو گیا۔ وہ برسوں کی غلامی اور ذلت کا بدلہ لینا چاہتا تھا۔ اس نے گورے کو پیٹنا شروع کر دیا۔ پٹائی کے ساتھ وہ مسلسل کہہ رہا تھا: پہلی اپریل کو بھی وہی اکڑفوں! پہلی اپریل کو بھی وہی اکڑفوں! اب ہمارا راج ہے بچہ!'' وہ یہ سمجھ بیٹھا تھا کہ نیا قانون آ چکا ہے۔ اس قانون کے تحت وہ انگریزوں کے خلاف کھل کر اپنی نفرت کا اظہار کر سکتا ہے۔ لیکن حقیقت میں وہ ایک بہت بڑی خوش فہمی کا شکار تھا۔

؎ میں چاہتا ہوں کہ اب جو بھی جی میں آئے کروں　　تجھے بھی میری اجازت ہے جو بھی خیال کر
(عرفان صدیقی)

جب منگو نے اس کی پٹائی کی تو گورے نے زور زور سے چلّانا شروع کر دیا۔ وہ چیخ چیخ کر لوگوں سے مدد طلب کر رہا تھا۔ جلد ہی لوگوں کا ہجوم اکٹھا ہو گیا۔ پولیس کے دو سپاہی بھی وہاں پہنچ گئے۔ انھوں نے بڑی مشکل سے منگو کو گورے سے الگ کیا۔ منگو اب بھی غصے سے بھرا ہوا تھا۔ اس کی سانس پھولی ہوئی تھی۔ اس کے منھ سے جھاگ بہہ رہا تھا۔ اس کی آنکھوں میں ایک عجیب سی چمک تھی۔ اس نے اپنی طاقت کا مظاہرہ کر دیا تھا اور خود کو فاتح سمجھ رہا تھا۔ پولیس نے اسے قابو میں کر لیا لیکن وہ خوشی اور جوش سے ہانپتی آواز میں کہہ رہا تھا: ''وہ دن گئے جب خلیل خاں فاختہ اڑایا کرتے تھے۔ اب نیا قانون ہے میاں، نیا قانون!'' اسے یقین تھا کہ انگریزوں کا دور ختم ہو چکا ہے اور اب ہندوستانیوں کو انصاف ملے گا۔

؎ تُو خنجر ظلم کا ظالم چلا لے اور تھوڑے دن　　غریبوں، بے گناہوں کو ستا لے اور تھوڑے دن

گورے کے ساتھ جو کچھ ہوا، اسے اس کی بالکل توقع نہیں تھی۔ پچھلے سال جب اس کی منگو کے ساتھ لڑائی ہوئی تھی تو اس نے منگو کی خوب بے عزتی کی تھی۔ اس وقت گورا نشے میں دھت تھا۔ منگو اس کی حالت اور قانون کی گرفت سے خوف زدہ تھا۔ اس لیے اس نے گورے کی تحقیر آمیز باتوں کو خاموشی سے برداشت کر لیا تھا۔ اس وقت اسے یہ خوف تھا کہ اگر گورے کو کچھ کہا تو معاملہ زیادہ بگڑ جائے گا۔ پولیس اور عدالت گوروں کا ساتھ دیتی تھی اور غریب کوچوانوں کو سزاؤں کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔ لیکن اب نیا قانون نافذ ہو چکا تھا اور گورے کسی کوچوان کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے تھے۔ نئے قانون کی وجہ سے اسے پولیس اور عدالت سے بھی انصاف کی توقع تھی۔ اس لیے وہ بار بار ''نیا قانون ہے میاں، نیا قانون'' کہہ رہا تھا۔ گورا منگو کی باتوں اور رویے کو بالکل سمجھ نہیں پا رہا تھا۔ وہ بے چارہ اپنے بگڑے ہوئے چہرے کے ساتھ بے وقوفوں کی طرح کبھی استاد منگو کی طرف دیکھتا اور کبھی ہجوم کی طرف۔ وہ اپنی توہین پر شرمندہ بھی تھا اور حیران بھی۔ پولیس کے سپاہیوں نے استاد منگو کو گرفتار کر لیا اور تھانے لے جانے لگے۔ وہ راستے میں بھی مسلسل ''نیا قانون! نیا قانون'' پکارتا رہا۔ اسے یقین تھا کہ وہ بے قصور ہے۔ وہ سمجھ رہا تھا کہ نئے قانون کے مطابق سب کو برابری کے حقوق ملیں گے اور پولیس گورے کو بھی گرفتار کر کے تفتیش میں شامل کرے گی۔ لیکن یہ اس کی خوش فہمی تھی جو زیادہ دیر قائم نہ رہ سکی۔

؎ ہم کو آزادی ملی بھی تو کچھ ایسے ناسکؔ　　جیسے کمرے سے کوئی صحن میں پنجرہ رکھ دے
(نثار ناسکؔ)

تھانے پہنچ کر سپاہیوں نے اس کا مذاق اڑاتے ہوئے کہا: ''نیا قانون، نیا قانون'' کیا بک رہے ہو؟ قانون وہی ہے پرانا!'' یہ جملہ استاد منگو کے لیے ایک بجلی کے جھٹکے سے کم نہ تھا۔ اس نے جو خواب دیکھے تھے وہ ایک لمحے میں چکنا چور ہو گئے۔ وہ سمجھ گیا کہ شہر میں کوئی تبدیلی کیوں نظر نہیں آ رہی تھی۔ اس کی ساری امیدیں غلط فہمی پر مبنی تھیں۔ جس قانون سے اسے اتنی بڑی توقعات تھیں وہ حقیقت میں کچھ نہیں تھا۔ پرانے قانون کے تحت ہی اسے حوالات میں بند کر دیا گیا۔ اسے اپنی بے بسی کا احساس ہوا اور دیوار کے ساتھ لگ کر بیٹھ گیا۔ استاد منگو جو کچھ دیر پہلے تک خود کو فاتح سمجھ رہا تھا، اب قیدی بن چکا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ نئے قانون کے مطابق اسے انصاف ملے گا مگر اسے پرانے قانون کے تحت ہی سزا مل گئی۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ قانون نیا ہو یا پرانا، ہمیشہ کمزور کے خلاف ہی استعمال ہوتا ہے۔

استاد منگو کا انجام اس بات کی علامت ہے کہ غلامی کی زنجیریں آسانی سے نہیں ٹوٹتیں۔ حقیقی آزادی صرف قانون بدلنے سے نہیں آتی، اس کے لیے پورا نظام بدلنا پڑتا ہے۔

Parho.pk

مشقی سوالات

سوال نمبر:۱۔ مختصر جواب دیں۔

الف۔ استاد منگو کی کیا انفرادیت تھی؟

جواب۔ استاد منگو کی انفرادیت یہ تھی کہ وہ نئی خبروں کی تلاش میں رہتا تھا۔ اسے جب کوئی نئی خبر مل جاتی تو اسے اپنے دوستوں کے سامنے ایسے بیان کرتا کہ سب پر اس کی دھاک بیٹھ جاتی۔

ب۔ ''یہ روس والا بادشاہ کچھ نہ کچھ ضرور کرے گا'' یہ بات کس نے کس سے کہی؟ جواب۔ یہ بات استاد منگو نے کہی۔

ج۔ استاد منگو کو انگریزوں سے نفرت کیوں تھی؟

جواب۔ استاد منگو کو انگریزوں سے نفرت اس لیے تھی کہ وہ انھیں ظالم اور دھوکے باز سمجھتا تھا۔ وہ زبردستی ہندوستان پر قابض تھے اور مقامی لوگوں پر رعب ڈالتے تھے۔

د۔ ''آگ لینے آئے تھے اب گھر کے مالک ہی بن گئے ہیں۔ ناک میں دم کر رکھا ہے ان بندروں کی اولاد نے۔ یوں رعب گانٹھتے ہیں گویا ہم ان کے باوا کے نوکر ہیں۔'' متن کے مطابق منگو نے یہ باتیں کس تناظر میں کیں؟

جواب۔ ''آگ لینے آئے تھے اب گھر کے مالک ہی بن گئے ہیں۔ ناک میں دم کر رکھا ہے ان بندروں کی اولاد نے۔ یوں رعب گانٹھتے ہیں گویا ہم ان کے باوا کے نوکر ہیں۔'' متن کے مطابق منگو نے یہ باتیں انگریزوں کی اکڑ اور غرور کی وجہ سے کہیں۔ اسے انگریزوں سے سخت نفرت تھی کیوں کہ وہ اس سے ہتک آمیز رویہ رکھتے تھے۔

ہ۔ استاد منگو نئے قانون کے بارے میں کیا سوچ رکھتا تھا؟

جواب۔ استاد منگو نئے قانون کے بارے میں یہ خیال کرتا تھا کہ اس کے آنے سے سب کچھ بدل جائے گا۔ ہر طرف آزادی اور خود مختاری ہوگی۔ انگریز کسی مقامی شخص پر رعب نہ ڈال سکیں گے۔

و۔ استاد منگو کے نزدیک بڑے لیڈر کا کیا معیار تھا؟

جواب۔ استاد منگو کے نزدیک بڑے لیڈر کا معیار یہ تھا کہ اس کے جلسے میں زیادہ سے زیادہ لوگ ہوں اور اس کے گلے میں زیادہ سے زیادہ پھولوں کے ہار ہوں۔

سوال نمبر:۲۔ درست جواب کی نشان دہی کریں۔

۱۔ **استاد منگو نے کس ملک کی لڑائی کی پیشین گوئی کی؟**

الف۔ اسپین　ب۔ برطانیہ　ج۔ فرانس　د۔ روس

۲۔ **''نیا قانون'' اصنافِ ادب کے لحاظ سے ہے۔**

الف۔ ناول　ب۔ ڈراما　ج۔ داستان　د۔ افسانہ

۳۔ **دیوانی مقدمے کے سلسلے میں آئے تھے۔**

الف۔ انگریز　ب۔ مارواڑی　ج۔ کوچوان　د۔ بنگالی

۴۔ **کس کی گفت گو نے استاد منگو کے دل میں جدید آئین کی اہمیت اور بڑھا دی۔**

الف۔ انگریز کی　ب۔ ایک کوچوان کی　ج۔ طلبہ کی　د۔ بیرسٹر کی

۵۔ **منگو نے چودھری خدا بخش سے خریدا تھا:**

الف۔ گھوڑا　ب۔ ساز　ج۔ کاٹھی　د۔ پائے دان

جوابات

۱	اسپین	۲	افسانہ	۳	مارواڑی	۴	طلبہ کی	۵	ساز

سوال نمبر:۳۔ متن کو مدِ نظر رکھتے ہوئے مناسب الفاظ کی مدد سے خالی جگہ پر کریں۔

۱۔ استاد منگو کو............سے بڑی نفرت تھی۔

۲۔ ہر چیز تو نہیں بدلے گی مگر کہتے ہیں کہ بہت کچھ بدل جائے گا اور............کو آزادی مل جائے گی۔

۳۔ کچھ عرصے سے پشاور اور دیگر شہروں میں.............. کی تحریک جاری تھی۔

۴۔ اس گفت گو نے استاد منگو کے دل میں جدید.............. کی اہمیت اور بھی بڑھا دی۔

۵۔ گورا پچھلے برس کے واقعے کو پیشِ نظر رکھ کر استاد منگو کے سینے کی چوڑائی کو نظر.............. کر چکا تھا۔

جوابات

۱	انگریزوں	۲	ہندوستانیوں	۳	سرخ پوشوں	۴	آئین	۵	انداز

سوال نمبر:۴۔ دی گئی عبارت کو پڑھیں اور پوچھے گئے سوالات کے جوابات دیں۔

جس طرح پوری کائنات کا نظام قانونِ قدرت کے تحت چل رہا ہے مثلاً: سورج اور چاند ستاروں کا طلوع و غروب، موسموں کا تغیر و تبدّل فصلوں کا پکنا وغیرہ سب ایک قانون کے تابع ہیں، اسی طرح معاشرے کی فلاح و بہبود، امن و امان اور ترقی و خوش حالی کے لیے بھی انسانوں نے قوانین ترتیب دیے ہوئے ہیں۔ ان قوانین پر عمل پیرا ہونے سے معاشرے کے افراد کو بھی راحت ملتی ہے اور معاشرہ بھی مہذب بن جاتا ہے۔ کسی معاشرے میں افراتفری، بدامنی اور بے سکونی اس وقت پیدا ہوتی ہے جب اس کے افراد قانون شکنی کے مرتکب ہوتے ہیں۔ جب قانون شکن گرفت میں آتے ہیں تو ایک طرف ان کی ذاتی زندگی پیچیدگیوں کا شکار ہوتی ہے تو دوسری طرف اس سے منسلک افراد اور معاشرہ بھی اپنا وقار کھونے لگتا ہے۔ بجائے اس کے کہ ہم قانون کی گرفت میں آنے کے خوف سے اس پر عمل کریں، ہمیں چاہیے کہ سماجی قدروں کو فروغ دیتے ہوئے دل سے قانونی تقاضوں کا احساس کریں اور ایک مہذب معاشرہ تشکیل دیں۔ ترقی یافتہ ممالک کی نسبت ہمارے ملک میں شرح خواندگی بہت کم ہے۔ اس وجہ سے بہت سے لوگ قوانین پر عمل کرنے کا شعور نہیں رکھتے۔ ہمیں اپنے اردگرد جہاں زندگی کے دیگر شعبوں میں بے ضابطگیاں نظر آتی ہیں وہاں بدقسمتی سے ٹریفک کے قوانین پر عمل کرنے کے شعور کے فقدان کا بھی سامنا ہے۔ قانونی پیچیدگیوں سے قطع نظر، اگر ہم اخلاقی نقطۂ نظر سے بھی دیکھیں تو ٹریفک قوانین کی پابندی کرنا نہایت ضروری ہے۔ انھیں نظر انداز کرنے سے معاشرتی صورت حال بگڑنے کے علاوہ قیمتی جانیں بھی ضائع ہوتی ہیں۔ ٹریفک قوانین کی خلاف ورزی روکنے کے لیے نہ صرف ٹریفک پولیس ذمہ داری کا مظاہرہ کرے بلکہ عوام الناس میں بھی احساسِ ذمہ داری پیدا ہونا چاہیے۔

سوالات:

۱۔ **عبارت کے مطابق قانونِ قدرت کی کیا مثالیں ہیں؟**

جواب۔ عبارت کے مطابق سورج اور چاند ستاروں کا طلوع و غروب، موسموں کا تغیر و تبدل اور فصلوں کا پکنا وغیرہ قانونِ قدرت کی مثالیں ہیں۔

۲۔ **معاشرہ مہذب کیسے بنتا ہے؟**

جواب۔ معاشرہ قانون کی پاسداری سے مہذب بنتا ہے۔

۳۔ **ٹریفک قوانین کو نظر انداز کرنے کے کیا نقصان ہیں؟**

جواب۔ ٹریفک قوانین کو نظر انداز کرنے سے معاشرتی صورت حال بگڑتی ہے اور قیمتی جانوں کا نقصان ہوتا ہے۔

۴۔ **ہمارے معاشرے میں لوگ قوانین پر عمل کرنے کا شعور کیوں نہیں رکھتے؟**

جواب۔ ہمارے معاشرے میں لوگ قوانین پر عمل کرنے کا شعور نہیں رکھتے کیوں کہ ہمارے ہاں تعلیم کی کمی ہے۔

۵۔ **اس عبارت کا مناسب عنوان تجویز کریں۔**

جواب۔ مہذب معاشرے کا قیام

زبان شناسی

سوال نمبر:۵۔ واحد جمع اور تذکیر و تانیث کو مدِنظر رکھتے ہوئے جملوں کو درست کر کے لکھیں۔

غلط جملے	درست جملے
یہاں ہر امراض کا علاج ہوتا ہے۔	یہاں ہر مرض کا علاج ہوتا ہے۔
اسے ابھی تک ہوش نہیں آئی۔	اسے ابھی تک ہوش نہیں آیا۔
میں نے ہر ممالک کی سیر کی ہے۔	میں نے ہر ملک کی سیر کی ہے۔

لوگ گہری غاروں میں رہتے تھے۔	لوگ گہرے غاروں میں رہتے تھے۔
فٹ بال میری پسندیدہ کھیل ہے۔	فٹ بال میرا پسندیدہ کھیل ہے۔
رات میں نے ایک خواب دیکھی۔	رات میں نے ایک خواب دیکھا۔
میری قلم کہاں ہے؟	میرا قلم کہاں ہے؟
رابعہ یہ بات سن کر بکی بکی رہ گئی۔	رابعہ یہ بات سن کر ہکا بکا رہ گئی۔

سوال نمبر:۶۔ درج ذیل الفاظ پر درست اعراب لگائیں۔

عقل، حیثیت، اعتراف، نشست، مصلحت

الفاظ	اعراب	الفاظ	اعراب	الفاظ	اعراب	الفاظ	اعراب
عقل	عَقَل	حیثیت	حَیْثِیَّت	اعتراف	اِعْتِرَاف	نشست	نِشَسْت
مصلحت	مَصْلَحَت						

سوال نمبر:۷۔ درج ذیل ضرب الامثال کو درست کر کے لکھیں۔

غلط فقرے	درست ضرب الامثال
ایک انار ہزار بیمار	ایک انار سو بیمار
پانی دیکھو، پانی کی دھار دیکھو	تیل دیکھو تیل کی دھار دیکھو
دھوبی کا کتا نہ گھر کا نہ باہر کا	دھوبی کا کتا گھر کا نہ گھاٹ کا
جس کی لاٹھی اس کی گائے	جس کی لاٹھی اس کی بھینس
بچہ گود میں ڈھنڈورا شہر میں	بچہ بغل میں ڈھنڈورا شہر میں
دودھ کا جلا لسی بھی پھونک پھونک کر پیتا ہے	دودھ کا جلا چھاچھ بھی پھونک پھونک کر پیتا ہے۔
ناچ نہ جانے پاؤں ٹیڑھا	ناچ نہ جانے آنگن ٹیڑھا
آسمان سے گرا جامن میں اٹکا	آسمان سے گرا کھجور میں اٹکا
گیہوں کے ساتھ جو بھی پس جاتا ہے	گیہوں کے ساتھ گھن بھی پس جاتا ہے۔
نہ دس من تیل ہوگا، نہ رادھا ناچے گی	نہ نو من تیل ہوگا نہ رادھا ناچے گی۔

سوال نمبر:۸۔ سبق ''نیا قانون'' کا خلاصہ تحریر کریں۔ جواب۔ دیکھیے سبق کا خلاصہ

مصنف سے متعلق کثیر الانتخابی سوالات

درست جواب کا انتخاب کریں۔

(1) سعادت حسن منٹو پیدا ہوئے:

(الف) 1910ء (ب) 1911ء (ج) 1912ء (د) 1913ء (ج)

(2) سعادت حسن منٹو فوت ہوئے:

(الف) 1954ء (ب) 1955ء (ج) 1956ء (د) 1957ء (ب)

(3) سعادت حسن منٹو پیدا ہوئے:

(الف) بارہ مولا (کشمیر) (ب) علی پور (بنارس) (ج) جے پور (ٹونک) (د) سمبرالا (لدھیانہ) (د)

(4) منٹو کے والد کا نام تھا:

(الف) خواجہ غلام نبی (ب) خواجہ غلام محمد (ج) خواجہ غلام حسین (د) خواجہ غلام علی (ج)

(5) منٹو نے ابتدائی تعلیم حاصل کی:
(الف) گھر سے (ب) مسجد کتب سکول سے (ج) مدرسے سے (د) مشن سکول سے (الف)

(6) منٹو کا تعلیم کا ریکارڈ تھا:
(الف) بہت اچھا (ب) بُرا (ج) معمولی (د) شان دار (ب)

(7) منٹو اکثر فیل ہوتے تھے:
(الف) فارسی (ب) ریاضی (ج) انگریزی (د) اردو (د)

(8) منٹو کو زمانہ طالب علمی ہی سے دل چسپی تھی:
(الف) شاعری سے (ب) ادب سے (ج) سیاست سے (د) کرکٹ سے (ب)

(9) منٹو نے ادبی زندگی کا آغاز کیا:
(الف) ڈراما سے (ب) ناول سے (ج) افسانہ سے (د) تراجم سے (د)

(10) منٹو کہانیاں لکھ کر پیسے کماتے رہے:
(الف) اخبار سے (ب) ریڈیو سے (ج) ریڈیو اور فلم سے (د) اسٹیج تھیٹر سے (ج)

(11) منٹو قیامِ پاکستان کے بعد بمبئی سے گئے:
(الف) لاہور (ب) اسلام آباد (ج) کراچی (د) سرگودھا (الف)

(12) منٹو اردو ادب کے ادیب ہیں:
(الف) پسندیدہ (ب) مقبولِ عام (ج) متنازع (د) مسترد (ج)

(13) نقاد منٹو کو ادیب کہتے ہیں:
(الف) ترقی پسند (ب) رومانویت پسند (ج) مقصدیت پسند (د) شدت پسند (الف)

(14) آتش پارے، دھواں، لذتِ سنگ اور چغد تصانیف ہیں:
(الف) اشفاق احمد (ب) غلام عباس (ج) احمد ندیم قاسمی (د) سعادت حسن منٹو (د)

(15) ٹھنڈا گوشت، یزید، نمرود کی خدائی اور بادشاہت کا خاتمہ کس کی تصانیف ہیں؟
(الف) ممتاز شیریں (ب) عصمت چغتائی (ج) سعادت حسن منٹو (د) شوکت صدیقی (ج)

سبق سے متعلق کثیر الانتخابی سوالات

1۔ منگو تھا:
(الف) کسان (ب) مزدور (ج) کوچوان (د) ریڑھی بان (ج)

2۔ منگو اپنے اڈے میں سمجھا جاتا تھا:
(الف) امانت دار (ب) تعلیم یافتہ (ج) بے وقوف (د) عقل مند (د)

3۔ منگو کی تعلیم تھی:
(الف) پرائمری (ب) صفر کے برابر (ج) مڈل (د) میٹرک (ب)

4۔ اس نے کبھی منہ نہیں دیکھا تھا:
(الف) سکول کا (ب) کالج کا (ج) یونی ورسٹی کا (د) مدرسے کا (الف)

5۔ منگو کو علم تھا:
(الف) دنیا بھر کی چیزوں کا (ب) اپنے گھر کی چیزوں کا (ج) شہر بھر کی چیزوں کا (د) محلّہ بھر کی چیزوں کا (الف)

6۔ اڈے کے تمام کوچوان استاد منگو کی وسیع معلومات سے تھے:
(الف) ناواقف (ب) واقف (ج) حاسد (د) متنفر (ب)

7۔ استاد منگو نے اپنی ایک سواری سے جنگ چھڑ جانے کی افواہ سنی تھی:
(الف) جاپان میں (ب) چین میں (ج) فرانس میں (د) اسپین میں (د)

8۔ استاد منگو نے جنگ چھڑ جانے کی پیش گوئی سے کی تھی:
(الف) گاما چودھری سے (ب) راموچودھری سے (ج) کرمو چودھری سے (د) دینو چودھری سے (الف)

9۔ استاد منگو نے اسپین کے بارے میں بتایا کہ وہ ہے:
(الف) افریقہ میں (ب) ایشیا میں (ج) ولایت میں (د) امریکہ میں (ج)

10۔ مال روڈ پر تانگہ چلاتے ہوئے استاد منگو کسی سواری سے تبادلہ خیال کر رہا تھا:
(الف) ہندو سکھ فساد پر (ب) ہندو مسلم فساد پر (ج) ہندو انگریز فساد پر (د) انگریز مسلم فساد پر (ب)

11۔ استاد منگو کو نفرت تھی:
(الف) امریکیوں سے (ب) جاپانیوں سے (ج) روسیوں سے (د) انگریزوں سے (د)

12۔ انگریز ہندوستان پر اپنا چلاتے ہیں:
(الف) سکہ (ب) حکم (ج) راج (د) قانون (الف)

13۔ انگریز استاد منگو کے ساتھ سلوک کرتے تھے، گویا وہ ہے:
(الف) ذلیل بندر (ب) ذلیل کتا (ج) ذلیل ریچھ (د) ذلیل گھوڑا (ب)

14۔ استاد منگو جب بھی گورے کے سُرخ و سپید چہرے کو دیکھتا تو اُسے آ جاتی:
(الف) کھانسی (ب) قے (ج) چھینک (د) متلی (د)

15۔ جب شرابی گورے سے منگو کا جھگڑا ہو جاتا تو سارا دن اس کی طبیعت رہتی:
(الف) اداس (ب) مکدر (ج) بے چین (د) نڈھال (ب)

16۔ منگو کہتا ہے کہ انگریز یوں رعب گانٹھتے ہیں کہ گویا ہم نوکر ہیں ان کے:
(الف) باوا کے (ب) تایا کے (ج) باپ کے (د) دادا کے (الف)

17۔ جب تک منگو کا کوئی ساتھی اس کے پاس بیٹھا رہتا، وہ اپنے سینے کی آگ:
(الف) پھینکتا رہتا (ب) نکالتا رہتا (ج) اُگلتا رہتا (د) بہاتا رہتا (ج)

18۔ منگو اپنے ساتھی سے کہتا ہے کہ تم انگریز کی شکل دیکھتے ہونا' لگتا ہے جیسے اس کو ہو رہا ہے:
(الف) بخار (ب) کوڑھ (ج) کورونا (د) ڈینگی بخار (ب)

19۔ استاد منگو اپنی ناک خاکی قمیص سے صاف کرنے کے بعد پھر:
(الف) پینے لگ جاتا ہے (ب) رونے لگ جاتا ہے (ج) بڑبڑانے لگ جاتا ہے (د) کھانے لگ جاتا ہے (ج)

20۔ ایک روز استاد منگو نے اپنے تانگے پر دو سواریاں لادیں:
(الف) چھاؤنی سے (ب) کچہری سے (ج) انار کلی سے (د) مال روڈ سے (ب)

21۔ جب استاد منگو نے سواریوں سے نئے قانون کے نفاذ کی خبر سنی تو وہ:
(الف) اداس ہو گیا (ب) ناراض ہو گیا (ج) پریشان ہو گیا (د) خوش ہو گیا (د)

22۔ مارواڑیوں نے نئے قانون کے نفاذ کی تاریخ بتائی:
(الف) یکم اپریل (ب) دو اپریل (ج) تین اپریل (د) چار اپریل (الف)

23۔ استاد منگو گھوڑے کی پیٹھ پر باگیں ڈھیلی کرتے ہوئے پیار سے کہتا ہے کہ ذرا ہوا سے کر کے دکھا دے:
(الف) مقابلہ (ب) باتیں (ج) آمنا سامنا (د) دوڑ (ب)

24۔ مارواڑیوں کو ان کے ٹھکانے پر پہنچا کر استاد منگو نے انار کلی میں لسی پی:
(الف) کرمو حلوائی کی دکان پر (ب) گاما حلوائی کی دکان پر (ج) فیکا حلوائی کی دکان پر (د) دینو حلوائی کی دکان پر (د)

25۔ شام کو جب استاد منگو اڈے کو لوٹا تو وہ اپنے دوستوں کو سنانے والا تھا:
(الف) خوش خبری (ب) بڑی خبر (ج) بُری خبر (د) داستان (ب)

26۔ استاد منگو اسٹیشن کے اڈے کی آہنی چھت کے نیچے بے قراری کی حالت میں ٹہلتا رہا:
(الف) آدھ گھنٹے تک (ب) ایک گھنٹے تک (ج) دو گھنٹے تک (د) تین گھنٹے تک (الف)

27۔ کس قانون کی خبر نے استاد منگو کو نئی دنیا میں لا کر کھڑا کر دیا تھا:
(الف) موجودہ قانون نے (ب) سابقہ قانون نے (ج) نئے قانون نے (د) پُرانے قانون نے (ج)

28۔ استاد منگو گوروں کو پکارتا تھا:
(الف) سفید بلیوں کے نام سے (ب) سفید چوہوں کے نام سے
(ج) بھورے بندروں کے نام سے (د) سیاہ ریچھوں کے نام سے (ب)

29۔ استاد منگو نتھو گنجے کو کس ملک کے بادشاہ کے بارے میں کہتا ہے کہ وہ کچھ نہ کچھ ضرور کر کے رہے گا:
(الف) امریکہ (ب) چین (ج) افغانستان (د) روس (د)

30۔ پہلی اپریل کو پُرانے نظام میں جو نئی تبدیلیاں ہونے والی تھیں، وہ انھیں کس بادشاہ کے اثر کا نتیجہ سمجھتا ہے؟
(الف) افغانستان والے بادشاہ (ب) ترکی والے بادشاہ (ج) روس والے بادشاہ (د) ایران والے بادشاہ (ج)

31۔ پشاور اور دیگر شہروں میں جاری تھی:
(الف) فرائضی تحریک (ب) سُرخ پوشوں کی تحریک (ج) ریشمی رومال تحریک (د) آزادیٔ ہند کی تحریک (ب)

32۔ استاد منگو تمام واقعات کو نئے قانون کا سمجھتا تھا:
(الف) نتیجہ (ب) اثر (ج) ثمر (د) پیش خیمہ (د)

33۔ استاد منگو نے کئی مرتبہ بیرسٹروں کو حقارت کی نگاہوں سے دیکھ کر کہا:
(الف) ٹوڈی بچے (ب) فراڈی بچے (ج) دوغلے بچے (د) ٹیڈی بچے (الف)

34۔ استاد منگو گورنمنٹ کالج کے کتنے طلبہ کو اپنے تانگے میں بٹھا کر مزنگ لے جا رہا تھا:
(الف) دو (ب) تین (ج) چار (د) پانچ (ب)

35۔ گورنمنٹ کالج کے طلبہ کی گفت گو نے استاد منگو کے دل میں اہمیت بڑھا دی:
(الف) پُرانے آئین کی (ب) موجودہ آئین کی (ج) جدید آئین کی (د) قدیم دستور کی (ج)

36۔ استاد منگو سمجھتا تھا کہ پہلی اپریل کو نئے قانون کے آتے ہی سب معاملہ ہو جائے گا:
(الف) واضح (ب) عیاں (ج) پوشیدہ (د) صاف (د)

37۔ پہلی اپریل کو صبح سویرے استاد منگو اٹھا اور گیا:
(الف) کمرے میں (ب) اصطبل میں (ج) باورچی خانے میں (د) غسل خانے میں (ب)

38۔ استاد منگو نے پہلی اپریل کے سرد دھندلکے میں چکر لگایا:
(الف) کئی بازاروں کا (ب) کئی دکانوں کا (ج) کئی سڑکوں کا (د) کئی منڈیوں کا (الف)

39۔ رنگ برنگ کے پروں سے بنی تھی:
(الف) چھتری (ب) تصویر (ج) کلغی (د) پینٹنگ (ج)

40۔ استاد منگو نے نئے قانون کی خوشی میں کلغی کب لی تھی؟
(الف) یکم مارچ کو (ب) 31۔ مارچ کو (ج) یکم مئی کو (د) یکم جون کو (ب)

41۔ استاد منگو نے نئی کلغی کس سے لی تھی؟
(الف) چودھری اللہ بخش سے (ب) چودھری محمد حسین سے (ج) چودھری اللہ داد سے (د) چودھری خدا بخش سے (د)

42۔ استاد منگو نے کلغی کتنے کی لی تھی؟
(الف) ساڑھے آٹھ آنے کی (ب) ساڑھے دس آنے کی (ج) ساڑھے چودہ آنے کی (د) ساڑھے پندرہ آنے کی (ج)

43۔ استاد منگو کے بقول ہائی کورٹ میں صبح کتنے بجے کے بعد کام شروع ہوتا ہے؟
(الف) سات بجے کے بعد (ب) آٹھ بجے کے بعد (ج) نو بجے کے بعد (د) دس بجے کے بعد (ج)

44۔ جب استاد منگو کا تانگہ گورنمنٹ کالج کے دروازے کے قریب پہنچا تو کالج کے گھڑیال نے بڑی رعونت سے بجائے:
(الف) آٹھ (ب) نو (ج) دس (د) گیارہ (ب)

45۔ گورنمنٹ کالج کے جو طلبہ کالج کے بڑے دروازے سے باہر نکل رہے تھے، وہ تھے:
(الف) خوش باش (ب) خوش حال (ج) مَیلے مَیلے (د) خوش پوش (د)

46۔ کالج کے طلبہ خوش پوش ہونے کے باوجود بھی استاد منگو کو نظر آ رہے تھے:
(الف) خستہ حال (ب) اداس (ج) مَیلے مَیلے (د) پریشان (ج)

parho.pk

47۔ استاد منگو تانگے کو دائیں ہاتھ موڑ کر تھوڑی دیر کے بعد تھا:

(الف) انارکلی میں (ب) مال روڈ پر (ج) صدر بازار میں (د) اُردو بازار میں (الف)

48۔ استاد منگو جب انارکلی میں پہنچا تو کتنی دکانیں مکمل بند ہو چکی تھیں؟

(الف) چوتھائی (ب) نمبر ثانی صد (ج) ساری (د) آدھی (د)

49۔ استاد منگو مال روڈ پر اپنے تانگے کو آہستہ آہستہ چلا رہا تھا کہ موٹروں کی دکان کے پاس اُسے سواری مل گئی:

(الف) انارکلی کی (ب) چھاؤنی کی (ج) چوبرجی کی (د) مزنگ کی (ب)

50۔ گھوڑے کی چال اور استاد منگو کے دماغ میں خیالات کی آمد تھی:

(الف) سست (ب) تیز (ج) مدھم (د) دھیمی (الف)

51۔ جس طرح گھوڑا آہستہ آہستہ قدم اٹھا رہا تھا، اسی طرح استاد منگو کے ذہن میں نئے قانون کے متعلق نئے داخل ہو رہے تھے:

(الف) خیالات (ب) اشارات (ج) قیاسات (د) احساسات (ج)

52۔ جب استاد منگو نے اپنے تازہ گاہک کو گورے کی شکل میں دیکھا تو اس کے دل میں نفرت کے پیدا ہو گئے:

(الف) محسوسات (ب) خیالات (ج) قیاسات (د) جذبات (د)

53۔ استاد منگو کو خیال آیا کہ گوروں کے پیسے چھوڑنا بھی:

(الف) عقل مندی ہے (ب) بے وقوفی ہے (ج) چالاکی ہے (د) نادانی ہے (ب)

54۔ استاد منگو کا چہرہ ہنس رہا تھا اور اپنے اندر کی آگ میں اس نے اس "گورے" کو جلا کر کر ڈالا تھا:

(الف) ختم (ب) نیست و نابود (ج) بھسم (د) مردہ (ج)

55۔ استاد منگو کو پورا یقین ہو گیا کہ یہ گورا وہی ہے جس سے پچھلے برس اس کی ہوئی تھی:

(الف) لڑائی (ب) تکرار (ج) گفت گو (د) جھڑپ (د)

56۔ استاد منگو کو معلوم تھا کہ اس قسم کے جھگڑوں میں عدالت کا نزلہ عام طور پر گرتا ہے:

(الف) کسانوں پر (ب) کوچوانوں پر (ج) مزدوروں پر (د) تاجروں پر (ب)

57۔ استاد منگو نے گورے سے پوچھا کہ کہاں جانا ہے تو گورے نے جواب دیا:

(الف) سبزی منڈی (ب) غلہ منڈی (ج) گوال منڈی (د) ٹکسالی منڈی (د)

58۔ استاد منگو نے گورے سے کرایہ مانگا:

(الف) دو روپے (ب) تین روپے (ج) پانچ روپے (د) سات روپے (ج)

59۔ استاد منگو گورے کو جی بھر کر:

(الف) گالیاں دے رہا تھا (ب) پیٹ رہا تھا (ج) برا بھلا کہہ رہا تھا (د) کوس رہا تھا (ب)

60۔ پولیس کے کتنے سپاہیوں نے گورے کو استاد منگو کی گرفت سے چھڑایا:

(الف) دو (ب) تین (ج) چار (د) پانچ (الف)

61۔ استاد منگو کے منھ سے بہہ رہا تھا:

(الف) پانی (ب) لعاب (ج) جھاگ (د) شربت (ج)

62۔ استاد منگو گورے سے کہتا ہے: وہ دن گئے جب خلیل خاں اُڑایا کرتے تھے:

(الف) چڑیا (ب) طوطا (ج) مینا (د) فاختہ (د)

63۔ استاد منگو کو پولیس کے سپاہی لے گئے:

(الف) حوالات میں (ب) عدالت میں (ج) سنٹرل جیل میں (د) تھانے میں (د)

64۔ پولیس نے استاد منگو کو بند کر دیا:

(الف) حوالات میں (ب) پولیس گاڑی میں (ج) جیل میں (د) کمرے میں (الف)

parho.pk